ابوداؤد کا انجام
جاگو جگاؤ
نونہال ادب

ابوداؤد کا انجام

جاگوجگاؤ

نونہال ادب

ابو داؤد کا انجام

دونوں گھڑسوار اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر تھے۔ اُن کے انداز بتا رہے تھے کہ اتنا طویل سفر کرنے کے بعد بھی وہ ابھی تھکے نہیں ہیں۔ اُن میں سے ایک کا نام ولید بن حسّام تھا اور اُس کے ساتھ اس کا نائب زہیر تھا۔ ولید بن حسّام میدانِ جنگ کا شیر تھا۔ دُشمن پر اُس کی تلوار کی بڑی دھاک تھی۔

والیٔ غرناطہ کو ولید سے بہت پیار تھا۔ جب کبھی کوئی مشکل مہم سامنے آتی تو والیٔ غرناطہ کی نظریں ولید بن حسّام کی طرف اُٹھ جاتیں۔ والیٔ غرناطہ کو کافی عرصے

سے یہ خبریں مل رہی تھیں کہ وادئ الصغیر میں ابو داؤد نے بڑی تباہی مچا رکھی ہے۔ ابو داؤد موجودہ حکومت کا باغی تھا اور والیِ غرناطہ کی حکومت کو ختم کرنے کے درپے تھا۔ غرناطہ میں تو اس کا بس نہیں چلتا تھا، البتّہ وہ قرب و جوار کے شہروں دیہاتوں اور قصبوں میں معصوم اور بے گناہ لوگوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا تھا۔ جب پانی سر سے گزر گیا تو والیِ غرناطہ کو تشویش ہوئی۔ زیادہ پریشانی اس وقت ہوئی جب یہ اطلاع ملی کہ وادئ الصغیر کا گورنر اسد بن مغیرہ بھی ابو داؤد سے مل گیا۔ ہے۔ چناں چہ غرناطہ کے قصرِ شاہی میں آدھی رات کو جب ولید بن حسّام کو طلب کیا گیا تو اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ کیوں کہ ابو داؤد کے ظلم و ستم کی خبریں ولید کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھیں۔ والیِ غرناطہ نے ولید کو ساری صورت حال بتانے کے بعد کہا۔ ”وادئ الصغیر کا قلعہ اب ابو داؤد کے قبضے میں ہے اور ابو داؤد کے ساتھ اسد بن مغیرہ نے بھی سارے علاقے میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ تم اپنے ساتھ ایک فوج کا دستہ لے کر فوراً اس کی سرکوبی کے لیے جاؤ اور وادئ الصغیر کو اُس کے ناپاک وجود سے پاک کر دو۔ ابو

داؤد نے بدر بن حسنین کو بھی اپنی قید میں کر رکھا ہے۔ اُسے بھی رہائی دِلوانی ہے۔"

ولید نے کہا: "آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ پہلے وہاں تنہا جا کر صورت حال کا جائزہ لوں۔ اگر فوج کی ضرورت پڑی تو میں لکھ دوں گا۔ میں یہاں سے فی الحال اپنے ساتھ اپنے نائب اور دوست زہیر کو لے کر جاؤں گا۔ اِس طرح دُشمن کو ہماری نقل و حرکت کا عِلم نہیں ہو سکے گا۔"

والیِ غرناطہ نے اجازت دے دی۔

دوسرے دِن ولید بن حسّام اپنے دوست زہیر کے ساتھ غرناطہ سے نکل کھڑا ہوا۔ سفر دشوار تھا، مگر اُن کے حوصلے جوان تھے۔ اُنہیں سفر کرتے ہوئے آج یہ دوسرا دِن تھا اور اس وقت وہ پہاڑی چوٹی پر کھڑے تھے۔ اچانک ولید نے کہا: "ہوشیار زہیر! میں نے نیچے درختوں کے جھُنڈ میں کوئی چیز چمکتی دیکھی ہے۔ شاید کوئی ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔"

”ہاں، یقیناً دُشمن گھات لگائے ہوئے ہے۔“ زہیر نے کہا۔ ”بہت ہوشیاری کے ساتھ سفر جاری رکھو۔ ہمیں رُکنا نہیں ہے۔“ ولید نے کہا۔

وہ احتیاط کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ پھر انہیں بہت سے لوگ نظر آئے اور وہ اُن لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ”یہ ابو داؤد کے آدمی تو نہیں ہو سکتے۔“ زبیر نے کہا۔

”ہاں۔ تُم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ ولید نے جواب دیا۔

وہ سب معمولی لباس پہنے ہوئے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، کسی کے ہاتھ میں درانتی۔ چند ایک کے پاس تلواریں بھی تھیں مگر ڈھال کے بغیر۔ وہ سب شکل و صورت سے کاشت کار معلوم ہو رہے تھے۔ اُن کے پھٹے ہوئے کپڑوں سے پتا چل رہا تھا کہ وہ بہت غریب لوگ ہیں ان لوگوں نے ولید بن حسّام اور زہیر کو دیکھ کر جس اناڑی پن سے چھُپنے کی کوشش کی تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ تربیت یافتہ نہیں ہیں۔

ولید نے آہستہ سے زہیر سے کہا: ”ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ان سے اُلجھے

بغیر نکل جائیں۔ ہمارے دُشمن ابو داؤد اور اسد بن مغیرہ ہیں اور ہمیں صرف اُنہیں ختم کرنا ہے۔"

زہیر نے ولید بن حسّام کی ساری حکمتِ عملی سمجھ لی تھی۔ دونوں آہستہ آہستہ پہاڑی ڈھلان سے اُتر رہے تھے۔ ولید کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ زہیر نے تو تلوار نیام سے نکال کر ہاتھ میں لے لی تھی۔ دونوں بہت ہی محتاط انداز میں آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے نیچے اُتر رہے تھے۔ ولید کی عقابی نگاہیں بڑی تیزی سے اِدھر اُدھر گردش کر رہی تھیں۔ اِس دوران ولید نے اُن کی تعداد کا اندازہ بھی کر لیا تھا۔ وہ تقریباً چالیس پچاس آدمی تھے جو اُن کی تاک میں تھے۔ اب کُچھ تیر انداز بھی نظر آئے جو ولید اور زہیر کی طرف نشانہ لگائے ہوئے تھے اور شاید اس انتظار میں تھے کہ وہ قریب آجائیں تو تیر چھوڑیں۔

جیسے ہی ولید اور زہیر نیچے پہنچے تیروں کی ایک بوچھاڑ اُن کی طرف آئی۔ دونوں پہلے سے ہوشیار تھے، اِس لیے دائیں بائیں ہو کر بچ گئے۔ ولید نے چیخ کر زہیر سے کہا:

”اپنے اور میرے درمیان چار گھوڑوں کے برابر فاصلہ رکھنا۔ ہمیں اُن کے بیچ میں سے راستہ صاف کرنا ہے۔“

یہ کہتے ہی ولید نے اپنے گھوڑے کو اپنی ایڑی سے مخصوص اشارہ دیا۔ مستعد جانور شاید پہلے ہی صورتِ حال کی نزاکت کا اندازہ کر چُکا تھا، اشارہ ملتے ہی ہوا ہو گیا۔ زہیر نے اپنی تلوار پہلے ہی سونت رکھی تھی، وہ بھی ولید کے اشارے پر حرکت میں آ گیا۔

مگر اُن لوگوں نے چار قطاریں اِس طرح بنائی تھیں کہ ولید اور زبیر کے پاس نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ چاروں طرف سے اُن میں گھِر کر رہ گئے۔ اُنہوں نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا۔ لیکن ولید نہیں چاہتا تھا کہ اُن لوگوں پر حملہ کیا جائے۔ اس نے کہا۔ ”تُم لوگ کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو۔ ہمارا راستہ کیوں روکا ہوا ہے؟“

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا: ”اس لیے تاکہ ہماری جان تُم سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ جائے۔ تم لُٹیرے اور سفّاک قاتل ہو۔ ہم اب تمہارا ظُلم ہرگز نہیں

سہیں گے۔ ہم اینٹ کا جواب پتھّر سے دیں گے۔ اللہ تمہیں غارت کر دے ابو داؤد کے پٹھوؤ!"

یہ بات سُنتے ہی ولید کے تنے ہوئے چہرے پر مُسکراہٹ آگئی۔ اُس نے نرمی سے کہا:

"میرے بھائی! میرا ابو داؤد سے کوئی تعلّق نہیں ہے۔ میں غرناطہ سے آیا ہوں اور والیِٔ غرناطہ نے مُجھے ابو داؤد کی خبر لینے کے لیے ہی بھیجا ہے۔ تُم لوگ فکر مت کرو بہت جلد وہ ظالم اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔ انشاءاللہ۔"

"تُم غرناطہ سے آئے ہو! ابو داؤد کی خبر لینے۔" اُس آدمی نے حیرت اور خوشی سے کہا۔

"ہاں۔ اور اب تمہیں زیادہ اِنتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اُس کا وقت قریب آچکا ہے۔" ولید نے کہا۔ "تُم ہمیں بتاؤ کہ قلعہ کس طرف ہے؟"

لوگوں نے ایک طرف اشارہ کیا اور اُن کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

دونوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور اُن کے گھوڑے اُس راستے پر دوڑنے لگے۔

راستے میں ولید اور زہیر نے اپنی آنکھوں سے ابو داؤد کی لوٹ مار کا حال دیکھا۔ جگہ جگہ جلے ہوئے گھر اور کھیت تھے۔ جہاں کبھی بستیاں تھیں اب ویرانے تھے۔ یہ تباہ کاری دیکھ کر ولید کا خون کھول اُٹھا۔ اُس نے دانت پیستے ہوئے کہا:

"ابو داؤد! تُجھ سے ایک ایک مظلوم کی ایک ایک آہ کا حساب لیا جائے گا۔"

زہیر نے کہا۔ "ابو داؤد انسان نہیں درندہ ہے۔"

"بہت جلد اُسے اِس کی سزا مل جائے گی۔" ولید نے کہا۔

پھر وہ خاموشی سے سفر کرتے رہے۔ اُن کے چہروں پر فکر اور تشویش کے آثار تھے۔ اُنہوں نے کافی دیر تک آپس میں کوئی بات نہیں کی۔ دونوں ہی کسی گہری سوچ میں تھے۔ راستے میں کئی گاؤں ملے جو راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے۔ اُن میں رہنے والا کوئی شخص زندہ نہ تھا۔ یہ ساری تباہی ابو داؤد اور اس کی نام نہاد گوریلا فوج نے مچائی تھی۔ ابو داؤد نے والئِ غرناطہ کی فوج کے کُچھ دستوں کو ورغلا کر

اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اُنہوں نے والیِٔ غرناطہ کے ساتھ کیے گئے وفاداری کے عہد کو توڑ دیا تھا۔ چند دِن پہلے تک جو لوگ امن چین سے اپنے گھروں میں رہ رہے تھے آج اُن پر تباہی اور موت کے سائے منڈلا رہے تھے۔

شام ہونے تک ولید اور زہیر پہاڑی سِلسِلے کی دوسری پہاڑی چوٹی پر پہنچ چکے تھے۔ یہ پہاڑی سِلسِلہ بہت دُور تک چلا گیا تھا۔ اِسی سِلسِلے میں وادیٔ الصغیر بھی واقع تھی جہاں ابو داؤد نے قبضہ کر رکھا تھا۔ اچانک ولید کے کان کھڑے ہو گئے۔ اُس کے حسّاس کانوں میں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز صاف آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک گھُڑسوار نظر آیا جو گھوڑے کی پیٹھ پر جھکا ہوا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے وہ گھوڑے کی پیٹھ سے گر پڑے گا۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ شدید زخمی ہے۔ ولید نے اُس کے گھوڑے کو روک لیا اور زخمی کو نیچے اُتارا۔

"تُم کون ہو اور تمہیں نے زخمی کیا ہے؟" ولید نے پوچھا۔

"ابو داؤد کے آدمیوں نے۔" زخمی نے کراہتے ہوئے کہا۔ "ہمارا قافلہ غرناطہ جا رہا تھا کہ راستے میں اُنہوں نے ہمارے قافلے کو لوٹ لیا۔ عورتوں کو اغوا کر کے

لے گئے اور مردوں کو ہلاک کر ڈالا۔ میں بڑی مُشکل سے جان بچا کر وہاں سے بھاگا ہوں۔"

زہیر نے اپنے مشکیزے سے اُسے پانی پلایا اور ولید نے اُس کے زخم صاف کر کے پٹّی باندھ دی۔ جب زخمی کو کُچھ سکون ہوا تو ولید نے اُس سے پوچھا: "یہاں سے قریب ترین کون سی بستی ہے؟" زخمی نے کہا۔ "جنوب میں ایک گاؤں ہے، یمان۔ یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم تمہیں وہاں چھوڑ دیں گے۔ کوئی رشتہ دار ہے تمہارا وہاں؟" ولید نے پوچھا۔

"نہیں۔ البتّہ میرا ایک دوست ہے۔ عبد اللہ۔" زخمی نے کہا اور کراہ کر آنکھیں بند کر لیں۔

تھوڑی دیر بعد اُنہوں نے زخمی کو اُس کے گھوڑے پر سوار کرایا اور پھر یمان گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ چند گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ گاؤں میں پہنچ گئے۔ وہاں عبد اللہ کو تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ ایک کسان تھا اور اپنے

کھیتوں میں کام کر رہا تھا۔ اُنہیں دیکھ کر وہ بھاگتا ہوا اُن کے قریب آیا پھر اُس کی نظر اُس زخمی پر پڑی اور وہ چونک کر رُک گیا۔ ”اوہ جمائل! میرے دوست! یہ تمہیں کیا ہوا۔“ وہ تیزی سے کہتا ہوا آگے بڑھا۔

جمائل نے کراہ کر آنکھیں کھولیں اور کہا۔ ”ابو داؤد کے لٹیروں نے ہمیں لوٹ لیا، عبد اللہ۔“ اُس کی آواز بھرّا گئی۔ عبد اللہ نے اُسے سہارا دے کر نیچے اُتارا۔ قریب ہی اُس کا کچّا سا مکان تھا۔ وہ اُسے سہارا دے کر اپنے مکان میں لے گیا اور ایک چارپائی پر لِٹا دیا۔

پھر وہ دوبارہ باہر آیا۔ ولید اور زہیر بھی اپنے گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے تھے۔

عبد اللہ نے کہا۔ ”آیئے جناب! آپ بھی اندر آجایئے۔“

دونوں عبد اللہ کے ساتھ اندر آئے اور ایک طرف بِچھے ہوئے تخت پر بیٹھ گئے۔ عبد اللہ جمائل سے اُس کی داستان سُننے لگا۔ پھر وہ دونوں کی طرف متوجّہ ہوا اور بولا۔ ”آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرے دوست کو یہاں تک پہنچا دیا۔ میں آپ کے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔“

”نہیں آپ رہنے دیں۔ ہمیں ابھی لمبا سفر کرنا ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ کھانا کھائے بغیر آپ نہیں جا سکتے۔“ یہ کہہ کر عبداللہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سب تخت پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے کے دوران عبداللہ نے پوچھا۔ ”آپ لوگوں کو کہاں جانا ہے؟“

”وادیٔ الصغیر۔“ ولید نے کہا۔

”اوہ! مگر وہاں تو ابو داؤد کا قبضہ ہے۔“

”ہاں اور ہم اِسی لیے وہاں جا رہے ہیں کہ ابو داؤد کو اُس کے کیے کی سزا دے سکیں۔“

عبداللہ حیرت سے اُن کی شکلیں دیکھنے لگا۔ کھانے کے بعد اُنہوں نے عبداللہ اور جمائل سے اجازت لی اور پھر وادیٔ الصغیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کئی گھنٹوں تک وہ سفر کرتے رہے۔

عبد اللہ کی زبانی اُنہیں پتا چلا تھا کہ ابو داؤد وادئ الصغیر میں نہیں ہے اور اسد بن مغیرہ قلعے میں ابو داؤد کا انتظار کر رہا ہے۔ جیسے ہی وہ فارغ ہو کر وادئ الصغیر پہنچے گا بدر بن حسنین کو پھانسی دے دی جائے گی۔ چناں چہ ولید نے سوچا تھا کہ وہ بدر بن حسنین کو اسد بن مغیرہ کے قبضے سے چھڑائے۔ اُس کے بعد ابو داؤد کو دیکھے گا۔

سورج غُروب ہو چُکا تھا اور شام ہونے لگی تھی۔ ولید اور زبیر نے اپنے گھوڑوں کا رُخ درختوں کے ایک جھُنڈ کی طرف کر دیا۔ اُن کا ارادہ تھا کہ رات وہ یہیں قیام کریں گے۔ ایک مناسب جگہ دیکھ کر ولید نے اپنا گھوڑا روکا۔ زبیر بھی رُک گیا۔ دونوں نیچے اُترے اور پھر گھوڑوں کی پُشت سے بندھا اپنا سامان اُتار کر نیچے رکھا اور گھوڑوں کو درختوں سے باندھ کر ان کے آگے چارا ڈال دیا۔ اس کے بعد اُنھوں نے اپنے سونے کے لیے جگہ صاف کی۔ چادر وغیرہ بچھائی اور جب کُچھ تھکن اُتری تو اُنھوں نے خُشک گوشت کے ٹکڑے نِکال کر آگ پر بھونے اور کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ کھانا کھا کر وہ لیٹ گئے اور پھر جلد ہی وہ سو گئے۔

اِس دوران درختوں کے قریب ایک سایہ نظر آیا۔ وہ دبے قدموں اُن کی طرف بڑھا۔ اُس کے چلنے سے کوئی آواز نہیں ہو رہی تھی۔ اچانک چاند کی ہلکی روشنی اُس سائے کے فولادی خود پر پڑی جس سے وہ چمک اُٹھا۔ وہ کُچھ دیر وہاں کھڑا اُن کو دیکھتا رہا۔ پھر ولید نے کروٹ بدلی۔ سایہ ایک دم جھاڑی میں چھُپ گیا۔ پھر جس خاموشی سے وہ آیا تھا اُسی خاموشی سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دبے دبے قدموں سے جنگل میں دوڑتا چلا جارہا تھا۔

وہ دونوں صُبح سویرے اُٹھ بیٹھے اور پھر اُنہوں نے سفر کی تیّاری شروع کر دی۔ ناشتا کرنے کے بعد وہ روانہ ہوئے، مگر ابھی اُنہوں نے تھوڑا سا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ شور کی آواز سُن کر وہ رُک گئے۔ سورج کی سنہری کرنوں میں دُشمن کی چمچماتی تلواریں صاف نظر آرہی تھیں۔ فوجی لباس پہنے والئِ غرناطہ کے باغی اُن کے سامنے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں ابو داؤد کے جھنڈے تھے جِن پر لومڑی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

”آخر کار ابو داؤد کے بھیڑیے آن ہی پہنچے۔“ کہتے ہوئے ولید بن حسّام نے اپنی

تلوار میان سے باہر نکالی۔ ”وہ ہمیں گھیرے میں لے رہے ہیں زہیر! ہمیں اس گھیرے کو ہر صورت میں توڑنا ہو گا۔“

”آپ فکر نہ کریں۔ میں تیّار ہوں۔“ زہیر نے کہا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں تلوار سنبھال رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال۔ دُشمن بالکل سر پر تھا۔ وہ چیختے چِلّاتے ہر طرف سے بھاگے چلے آرہے تھے۔ لگ رہا تھا ہر طرف سے خُوں خوار بھیڑیے لمبے لمبے منہ کھولے انہیں ہڑپ کرنے آرہے ہیں۔

ولید اور زہیر نے خود کو ایک چٹان کے قریب کر لیا تاکہ وہ پیچھے سے اُن پر حملہ نہ کر سکیں۔ وہ اپنے گھوڑوں پر مُستعد تھے اور اُن کے قریب آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر وہ لوگ چیختے ہوئے اُن دونوں پر حملہ آور ہوئے۔

ولید اور زہیر نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور پھر دشمنوں کے وار اپنی ڈھالوں پر روک کر تلواروں سے اُن پر جوابی حملہ کیا، اور اِس کے بعد تو جیسے اُن کے ہاتھوں میں مشین لگ گئی ہو۔ وہ نہایت پھُرتی اور مُستعدی سے تلوار چِلّاتے ہوئے اِدھر سے اُدھر دُشمنوں پر حملے کر رہے تھے اور اُن کے اِس حملے سے دُشمن کے سپاہی بوکھلا

گئے۔ ابھی تک دُشمن کے کئی ساتھی مارے گئے تھے، مگر اُنہیں خراش تک نہیں آئی تھی۔

وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگے۔ مگر اُس وقت اُن کے سردار نے چلّا کر کہا۔ ''اِنہیں چاروں طرف سے گھیر لو۔ شاباش۔ ایک ساتھ حملہ کرو۔''

اپنے سردار کی آواز سُن کر بھاگتے ہوئے سپاہی پھر آگے بڑھنے لگے۔ ولید نے دوبارہ تلوار چلائی اور وہ اُن کے سردار کے قریب پہنچ گیا۔ وہ خوف ناک صورت آدمی تھا۔ ولید کو اپنے قریب دیکھ کر اُس نے تلوار سے اُس پر وار کیا، مگر اسی وقت ایک تیر کہیں سے آیا اور اس کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ وہ تیورا کر گر پڑا۔

اُس کے ساتھی اپنے سردار کو مرتے دیکھ کر اور خوف زدہ ہو گئے۔ ولید حیرت زدہ رہ گیا کہ یہ تیر کِس نے چلایا۔ کیا یہاں اُس کے ہمدرد موجود ہیں۔ حملہ آور بھی ہٹ گئے۔

اُسی وقت جنگل کی طرف سے ایک ساتھ کئی تیر آئے اور دو تین سپاہی اُن کا نشانہ

بنے۔ ابو داؤد کے دوسرے سپاہی یہ دیکھ کر گھبرا گئے۔ وہ اب آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہے تھے۔ شاید اُنہیں محسوس ہو رہا تھا کہ والیِ غرناطہ کے سپاہی اُنہیں گھیرے میں لے رہے ہیں۔

ولید سوچ رہا تھا کہ اِس خطرناک جگہ میں اُس کے حمایتی کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ اِسی وقت جنگل میں سے کسی کا بھیانک قہقہہ گونجا پھر ایک گھڑسوار جو مشکی گھوڑے پر سوار تھا جنگل میں سے نکلا۔ اُس کا ڈیل ڈول بڑا زبردست تھا۔ وہ بہت طاقت ور شخص تھا۔ غرناطہ کی فوج کی وردی اُس کے جسم پر تھی جس پر والیِ غرناطہ کا مخصوص نشان، شیر بنا ہوا تھا۔ اُس کے سر پر فولادی خُود تھا۔ وہ اپنی تیز چمکیلی نگاہوں سے سب کو گھور رہا تھا۔ اُس کی خشخاشی داڑھی اور ہلکی ہلکی بھوری مونچھیں بڑی خوب صورت لگ رہی تھیں۔

ابھی ابو داؤد کے آدمی حیرت سے اُسے دیکھ ہی رہے تھے کہ اُس نے اُن پر حملہ کر دیا۔ اُس کی کمان سے نکلنے والا پہلا تیر ایک باغی کے سینے میں گھُس گیا۔ اُس نے انتظار کیے بغیر دوسرا تیر چھوڑا۔ ایک چیخ گونجی اور دوسرا آدمی زمین پر گر

پڑا۔ اُس کے بعد اچانک ہی وہ مُڑا اور اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا واپس درختوں میں گُم ہو گیا۔ ابو داؤد کے آدمیوں کو ایک دم ہوش آ گیا۔ کُچھ لوگ اُس اجنبی کے پیچھے لپکے، مگر وہ تو چھلّاوے کی طرح سب کی نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔ اُسی وقت جنگل کی ایک دوسری سمت سے ایک تیر آیا اور ابو داؤد کا ایک اور آدمی ضائع ہو گیا۔ مرنے والے کی چیخ بڑی بھیانک تھی۔

اِس کے ساتھ ہی ایک پِستہ قد اور گٹھے ہوئے بدن کا اُدھیڑ عُمر آدمی گھوڑے پر سوار جنگل سے نکلا۔ اُس نے والیٔ غرناطہ کی فوجی وردی پہن رکھی تھی۔ اُس کے پٹھّے مضبوط اور کسے ہوئے تھے۔ اچانک اُس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور پھر ابو داؤد کے آدمیوں کی طرف جھپٹا۔ اِس کے ساتھ ہی ولید اور زہیر بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے شہباز کی طرح دُشمنوں پر جھپٹے۔

ابو داؤد کے سپاہیوں نے مُقابلہ کیا، مگر اُن کے حوصلے پست ہو چُکے تھے۔ وہ اِس خوف میں مُبتلا ہو گئے کہ والیٔ غرناطہ کی فوج نے اُنہیں گھیرے میں لے لیا ہے۔ چناں چہ اِس خیال کے آتے ہی وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ولید، زہیر اور اُس کے

اجنبی ساتھی نے کُچھ دُور تک اُن کا پیچھا کیا، پھر وہ واپس پلٹ آئے۔

پہاڑی چٹانوں سے قریب پہنچ کر وہ گھوڑے سے نیچے اُترے۔ اُسی وقت جنگل میں سے وہ طاقت ور اور جسیم شخص نِکلا جس کے جسم پر غرناطہ کی فوج کی وردی تھی۔ وہ بھی اُن کے برابر آکر کھڑا ہو گیا۔

ولید اُن دونوں کی طرف متوجّہ ہوا اور پھر وہ اُنہیں ڈانٹنے والے انداز میں بولا۔ ”تو تم دونوں یہاں تک آ گئے۔ باقی لوگ کہاں ہیں؟“

یہ ابو عمّار اور طلحہ تھے۔ لمبے قد والے نے کہا۔ ”میرے آقا! صرف ہم دونوں ہی یہاں تک آئے ہیں۔ ہم نے سوچا کہ آپ کا اِس طرح تنہا ابو داؤد کے علاقے میں جانا خطرے سے خالی نہیں۔ چناں چہ ہم۔۔۔۔۔ دِل کے ہاتھوں۔۔۔۔ مجبور ہو گئے۔“ کہتے کہتے ابو عمّار کی آواز لڑکھڑانے لگی۔ طلحہ نے جلدی سے کہا:

”اسی لیے میرے آقا! میں اور ابو عمّار آپ کی حفاظت کے لیے آ گئے۔“

”مگر آقا! ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہم خاموشی سے آپ کا پیچھا کریں گے اور آپ

کے سامنے ہر گز ہر گز نہیں آئیں گے۔" ابو عمّار نے ولید بن حسّام کہا۔

"تُم لوگوں نے میرا پیچھا کیا اور مُجھے خبر تک نہیں ہوئی۔" ولید نے حیرت سے کہا۔

ابو عمّار نے فخر سے جواب دیا: "آپ سے چند قدم کے فاصلے پر چل رہے تھے۔ دِن کی روشنی میں بھی، مگر ہم اطراف میں تھے۔ جب ہم نے آپ کو اِس پہاڑی جنگل میں پڑاؤ کرتے دیکھا تو مطمئن ہو کر قریبی جھاڑیوں میں سو گئے۔"

"پھر جب ابو داؤد کے حامیوں نے حملہ کیا تو اُن کے شور و غُل سے ہماری آنکھ کھُل گئی۔" طلحہ نے بتایا۔

"مگر تُم دونوں الگ الگ تھے۔ اگر پکڑے جاتے تو؟" ولید نے سوال کیا۔

"ہم دُشمن کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ وہ تین طرف سے گھِر چُکا ہے۔ ایک طرف آپ، دوسری طرف میں اور تیسری طرف، طلحہ۔ اب دُشمن کو کیا معلوم کہ ہمارے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ وہ یہ سمجھ کر فرار ہو گئے کہ ہمارے ساتھ

سپاہیوں کے دستے بھی ہیں۔" ابو عمّار نے تفصیل سے ساری بات ولید کو بتائی۔

اُن کی باتیں سُننے کے بعد ولید بن حسّام نے اُن کے اقدام کی تعریف کی اور پھر وہ اُنہیں اپنا منصوبہ بتانے لگا کہ وہ وادیٔ الصغیر کے قلعے میں قید بدر بن حسنین کو چھڑانے کی کوشش کرے گا۔ اس قلعے پر ابو داؤد کا قبضہ ہو گیا ہے، کیوں کہ اسد بن مغیرہ ابو داؤد سے مل کر والیِٔ غرناطہ سے باغی ہو چُکا ہے۔

وقت کم تھا۔ بدر بن حسنین کو کسی وقت بھی پھانسی دی جا سکتی تھی، اِس لیے فوراً ہی قدم اُٹھانا تھا۔ سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ اُنھوں نے پورے دِن جنگل میں سفر کیا۔ جنگل میں کُچھ جھونپڑیاں اُنہیں نظر آئیں جن سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ ابو داؤد کے آدمی جاتے جاتے اِن غریبوں پر اپنی

جھنجھلاہٹ اُتار گئے تھے۔

آخر جنگل ختم ہوا اور وہ کھُلی جگہ میں آ گئے۔ ایک جگہ اُن کی نگاہ کُچھ لوگوں پر پڑی جو بے جان لاشوں کی طرح زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سُن کر وہ ایک دم اُچھلے اور بھاگ کر ٹیلوں کی آڑ میں چھُپنے لگے۔ ولید

نے گھوڑا دوڑایا اور اُن کے قریب پہنچ کر نرمی سے کہا:

"کیا بات ہے؟ تُم کس چیز سے ڈر رہے ہو۔"

وہ لوگ خوف سے بُری طرح لرز رہے تھے۔ ایک نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا:

"رحم! جناب رحم! میں نے کسی کو تکلیف نہیں دی۔ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔"

"ڈرو نہیں دوست!" ولید نے نرمی سے کہا۔ "میں غرناطہ سے آیا ہوں اور والیِ غرناطہ کی فوج کا سپاہی ہوں۔"

"غرناطہ!" ایسا لگا جیسے اِس لفظ میں کوئی جادُو ہے۔ خوف زدہ آدمی غیر یقینی نظروں سے ولید کو گھور رہا تھا۔ پھر اُس نے ولید سے روتے ہوئے درخواست کی کہ غرناطہ کی ساری فوج کو یہاں لے آؤ اور ہمیں اِس درندے ابو داؤد کے چُنگل سے نجات دلا دو۔ اُس نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا:

"جب تک ابو داؤد کے ایک ایک آدمی کو پکڑ کر پھانسی نہیں دی جائے گی، یہاں

امن قائم نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمارے خون کا پیاسا ہے۔ وہ ہماری زمینوں کے لیے ایک لعنت ہے۔ اُس نے ہمیں تباہ کر دیا ہے۔ والیِ غرناطہ نے ابھی تک اُس کے خلاف کُچھ نہیں کیا ہے۔ کُچھ کیجیے جناب۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔"اُس کی آواز بھرّا گئی۔ ولید بن حسّام نے نرمی سے اُس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"اللہ سے دُعا کرو کہ وہ ہمیں اِس ظالم سے نجات دِلا دے۔ ابو داؤد ہم سب کا دُشمن ہے اور میں اُس کی تلاش میں ہوں۔ لیکن اِس سے پہلے مُجھے وادیٔ الصغیر کے قلعے دار اسد بن مغیرہ سے حساب چُکانا ہے۔"

"اسد بن مغیرہ! وہ وحشی اور خونی! وہ ابو داؤد کا خاص آدمی ہے۔ خُدا آپ کو کام یاب کرے، میری دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔" بے بس آدمی نے ہاتھ اُٹھا کر ولید بن حسّام کو دُعا دی۔

وہ رات ولید بن حسّام، زبیر، ابو عمّار اور طلحہ نے ایک غار میں بسر کی۔ رات کو اُنہوں نے باری باری جاگ کر پہرا دیا۔ اگلے دِن دوپہر کے بعد وہ ایک پہاڑی پر پہنچ گئے جس کے دامن میں وادیٔ الصغیر پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کے دوسری

طرف پہاڑی پر وادئ الصغیر کا وہ قلعہ تھا جہاں بدر بن حسنین، اسد بن مغیرہ کی قید میں تھا۔ قلعے کے اُونچے اُونچے مینار، بُرجیاں اور بُلند و بالا دیواریں بتا رہی تھیں کہ قلعے میں داخل ہونا آسان نہیں ہے۔ وہ چاروں اپنے گھوڑوں سے اُترے اور پھر اُنہوں نے گھوڑوں پر سے سامان اُتار کر اُنہیں جنگل کی طرف ہنکا دیا۔ یہ اُن کے سِدھائے ہوئے گھوڑے تھے جو ایک آواز پر کبھی بھی اُن کے پاس پہنچ سکتے تھے۔ وہیں ایک ٹیلے کے قریب ایک چھوٹے سے غار میں اُنہوں نے اپنا سامان چھپا دیا۔

وادئ الصغیر کا قلعہ ایک بہت شان دار قلعہ تھا۔ اُنہوں نے اِس سے پہلے کبھی ایسا ناقابلِ عُبور قلعہ نہیں دیکھا تھا۔ اِس کے چاروں طرف گہری کھائیاں تھیں جِن میں پانی بھرا ہوا تھا۔ قلعے نے اندر پہنچنے کے لیے ایک متحرک پُل تھا جو ضرورت کے وقت نیچے کیا جاتا تھا اور پھر واپس اپنی جگہ چلا جاتا۔ قلعے کی فصیل پر مسلح آدمی گشت کرتے رہتے تھے۔ قلعے کے سب سے اُونچے مینار پر ایک جھنڈا لہرا رہا تھا جس پر لومڑی بنی ہوئی تھی۔ یہ ابو داؤد کا جھنڈا تھا۔

ابو عمّار نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ولید سے کہا:

”میرے آقا! میرے خیال میں تو یہ کام آسان نہیں ہے۔ آپ اپنے تربیت یافتہ بہترین جنگ جو ساتھ کیوں نہیں لائے؟“

”کیا تُم ڈر گئے؟“ ولید نے مُسکراتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں آقا! آپ غَلَط سمجھے۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“ ابو عمّار نے شرمندگی سے کہا۔

ولید نے کہا۔ ”ہم نے ابو داؤد کے آدمیوں کو مار کر جو وردیاں اُتاری تھیں وہ نکالو۔ ہم ابو داؤد کے سپاہیوں کے بھیس میں قلعے میں داخل ہونے کی کوششیں کریں گے۔“

اُنھوں نے وہ وردیاں نکالیں اور اُنھیں پہن کر وہ پہاڑی سے نیچے اُترے۔ کسی نے اُن کی طرف دھیان نہیں دیا، کیوں کہ وہ ابو داؤد کی مخصوص وردی جو پہنے ہوئے تھے۔ وہ بڑے پریشان حال اور تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔ قلعے کی کھائی

کے قریب پہنچنے پر اُنہیں اسد بن مغیرہ کے پہرے داروں نے روک لیا اور کہا:

"ہمارے قلعے دار کا حکم ہے کہ ابو داؤد کے کسی آدمی کو بغیر اُس کی اجازت کے اندر داخل نہ ہونے دیا جائے۔"

ولید نے بڑے سکون سے پوچھا۔ "تو ہمیں کب تک انتظار کرنا ہو گا؟"

"تُم کبھی اندر نہیں جاسکتے۔ تُم لوگ جو مال لوٹ کر لاتے ہو اُس میں سے ہمارا پورا حصّہ ہمیں نہیں دیتے۔ تُم ہمارا حق مار رہے ہو؟" ایک پہرے دار نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں ابو داؤد کا آدمی ضرور ہوں، مگر اسد بن مغیرہ کے لیے ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔" ولید نے بحث کرتے ہوئے کہا۔ "اِس پیغام کا اُس تک پہنچنا بہت ضروری ہے۔"

اسد بن مغیرہ کے نام پیغام والی بات سُن کر پہرے دار نرم پڑ گیا اور بولا۔ "تم دوپہر کے بعد آ جانا۔ اُس وقت قلعے میں موجود جانوروں کے لیے چارے کے

چھکڑے آئیں گے۔ اُن کو اندر داخل ہونے کے لیے متحرک ہونا ہو گا۔ بس تم اُس وقت اندر چلے جانا۔ مگر خبر دار، اسد بن مغیرہ کے سپاہیوں سے بحث نہ کرنا۔ وہ آج کل ابو داؤد کے آدمیوں سے بہت خار کھا رہے ہیں۔ اُن کو لوٹ میں پورا حصّہ نہیں ملتا۔"

ولید نے پہرے دار کا شکریہ ادا کیا اور وہ چاروں واپس چل پڑے۔ اب وہ وادیٔ الصغیر میں گھوم رہے تھے۔ تنگ بازار، چھوٹی چھوٹی دُکانیں اور لوگوں کا ہجوم۔ وہ چارے کی دُکان کی تلاش میں تھے جو آخر کار اُنہیں بازار کے آخری حصّے میں نظر آئی۔ دُکان کے برابر احاطے میں دو چھکڑے کھڑے ہوئے تھے جن پر گھاس پھونس کے بڑے بڑے گٹھڑ لدے ہوئے تھے۔ یہ وہ چارا تھا جو وادیٔ الصغیر کے قلعے میں جانا تھا۔ چارے کی دُکان کا مالک اپنے نوکروں کو ہدایات دے رہا تھا اور وہ جلدی جلدی اُن پر عمل کر رہے تھے۔ ولید اور اس کے تینوں ساتھی خاموشی سے اُنہیں دیکھتے رہے۔ کام مکمّل ہو چُکا تھا۔ گھاس پھونس کے اُونچے اُونچے گٹھڑ لادے جا چکے تھے اور شاید تھوڑی دیر بعد وہ روانہ ہونے

والے تھے۔

ولید اپنے تینوں ساتھیوں کو لے کر قلعے کی طرف جانے والے ایک ویران سے راستے پر چھُپ کر بیٹھ گیا اور اُن چھکڑوں کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر بعد چھکڑوں کے آنے کی آواز آئی۔ چھکڑے چلانے والے صرف دو آدمی تھے۔ جب وہ قریب آئے تو اُن چاروں نے اچانک اُن پر حملہ کر دیا اور پھر اُنہیں بے ہوش کر کے اُنہوں نے اُن کے ہاتھ پاؤں باندھے اور جھاڑیوں میں چھُپا دیا۔ ولید اور زہیر نے اُن کے جسموں سے کپڑے اُتار کر خود پہن لیے اور پھر چھکڑوں پر آ بیٹھے۔

طلحہ اور عمّار ایک ایک چھکڑے میں گھاس پھونس کے اندر چھُپ کر بیٹھ گئے اور اُنہوں نے چھکڑوں کو آگے بڑھایا۔ شام ہو چکی تھی۔ دُور سے قلعہ نظر آنے لگا تھا۔

قلعے کی کھائی کے قریب پہنچتے ہی بُرج میں سے کسی نے چیخ کر کہا: ”رُک جاؤ۔ کون ہو تُم لوگ؟“

ولید نے جواب میں بتایا کہ وہ چارا لے کر آئے ہیں۔ متحرک پُل نیچے ہونا شروع ہوا اور آخر کار وہ زمین سے مل گیا۔ یہاں چھکڑے قلعے تک جا سکتے تھے۔ ولید اور زہیر نے خچّروں پر چابک لہرایا اور چھکڑے آہستہ آہستہ قلعے میں داخل ہوئے۔ دروازے سے اندر مسلح پہرے داروں کی ایک قطار کھڑی ہوئی تھی۔ سب کے سینے پر لومڑی کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ کسی نے تیز لہجے میں کہا:

"جلدی کرو۔ رات ہو گئی ہے۔ اندھیرا ہونے کے بعد کسی کو قلعے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ جلدی کرو۔ اتنی دیر کر دی!" محافظ بڑبڑا رہے تھے۔ اُسی وقت ولید کے مُنہ سے سیٹی کی آواز نکلی اور اس کے چھکڑے پر لدا ہوا گھاس کا بڑا سا گٹھڑ نیچے گر گیا۔ ولید یہی تو چاہتا تھا۔ اِدھر محافظوں نے اوّل فول بکنا شروع کر دیا۔

"جلدی کرو، اِسے اٹھاؤ ورنہ میں تُم سب کو قتل کر دوں گا۔"

ابو عمّار گٹھڑ سے نکل کر اندھیرے میں چھُپ چکا تھا۔ اُس نے اپنے لباس کے اندر سے تیر کمان نکالی اور پھر تیر چڑھا کر ایک محافظ کا نشانہ باندھا۔ دوسرے

سے طاہر نِکلا اور اُس نے اپنی تلوار اور ڈھال نکال کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ اچانک محافظ کو کسی خطرے کا احساس ہوا، مگر اِس سے پہلے ایک تیر اُس کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ وہ چیخ مار کر گرا۔ طلحہ اور ابو عمّار اندھیرے میں تھے۔ محافظوں کو کُچھ پتا نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے، مگر چیخ سُن کر وہ ہوشیار ہو گئے اور پھر وہ چھکڑوں کی طرف بڑھے۔ اِس دوران ولید اور زہیر چھکڑوں کو چھوڑ کر طلحہ اور ابو عمّار کے ساتھ آ گئے۔ پھر کُچھ محافظوں نے اُنہیں دیکھ لیا۔ وہ تلواریں نکال کر اُن پر حملہ آور ہوئے۔ ہر طرف ایک ہلچل مچ گئی۔ محافظ تعداد میں زیادہ تھے، مگر ولید اور اُس کے ساتھیوں نے جلد ہی اُنہیں ختم کر دیا۔

اب اُن کا رُخ اندر کی طرف تھا۔ اندر اسد بن مغیرہ کے محافظوں کا پورا دستہ موجود تھا، مگر وہ اُن کے اچانک قلعے میں داخل ہونے پر اتنے حیران تھے کہ خطرے کا بگل تک نہ بجا سکے اور اِس سے پہلے کہ اُن کی حیرت دُور ہوتی ولید، زہیر، ابو عمّار اور طلحہ نے اُن کو چھاپ لیا۔ اُن لوگوں کے جسموں پر کیوں کہ ابو داؤد کے سپاہیوں کی وردی تھی، اِس لیے قلعے والے سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ یہ

اُن پر حملہ کیوں کر رہے ہیں۔ کُچھ محافظوں کو زخمی کیا، کُچھ کو ہلاک کیا۔ کُچھ اِدھر اُدھر بھاگے، غرض ولید اور اُس کے ساتھیوں کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔
ولید نے بھاگتے ہوئے کہا:

"جلدی کرو۔ خطرے کا بگل بجنے سے پہلے ہمیں بدر بن حسنین کو تلاش کرنا ہے۔"

وہ چاروں بھاگتے ہوئے سیڑھیوں پر راہداری میں جیسے ہی وہ مُڑے ایک سپاہی نظر آیا۔ اُس نے ابو داؤد کی وردی پہنے ہوئے چار آدمیوں کو بھاگتے دیکھا تو چیخا:

"اے کون ہو تم؟" جواب دینے کے لیے ولید بن حسّام اُس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک طاقت ور گھونسے کی شکل میں جواب دیا اور سپاہی زمین پر گر پڑا۔ ولید نے جھک کر اُسے اُٹھالیا اور فصیل کے دوسری طرف اُچھال دیا۔ اِسی دوران کسی نے خطرے کا بگل بجا دیا۔

خطرے کے بگل کی آواز سُن کر وہ سپاہی جو اُس وقت آرام کر رہے تھے جلدی سے باہر لپکے۔ اُنہوں نے اپنے ہتھیار سنبھالے ہی تھے کہ چار آدمی جنہوں نے

ابو داؤد کے سپاہیوں والی وردیاں پہن رکھی تھیں اُن کے کمروں کے احاطے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اُنہیں دیر ہو گئی تھی، کیوں کہ احاطے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اُنہوں نے دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا۔

اسد بن مغیرہ اس وقت اپنے کمرۂ خاص میں تھا اور باغیوں کے لیڈروں سے بات چیت کر رہا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو والیِٔ غرناطہ کو ہٹانا چاہتے تھے۔ شور و غُل کی آواز اسد بن مغیرہ کے کانوں میں بھی پڑی۔ اِس وقت وہ بدر بن حسنین کے بارے میں مشورہ کر رہا تھا کہ آیا اُس کے بدلے والیِٔ غرناطہ سے ہیرے جواہرات طلب کرے یا ابو داؤد کا انتظار کرے۔ اُس نے چیخ کر اپنے پہرے داروں سے کہا:

"یہ کیسا شور ہے؟"

یہ کہہ کر اُس نے تلوار نیام سے نکالی اور سیدھا دوڑتا چلا گیا۔ اُس کے ساتھ اُس کے سات مسلح محافظ بھی تھے۔ وہ بہترین نشانے باز اور تلوار کے ماہر تھے۔ اسد بن مغیرہ کی نظر اُن چاروں پر پڑی جو وردی سے ابو داؤد کے آدمی معلوم ہو رہے

تھے۔ اسد نے چیخ کر کہا:

"میرے قلعے سے فوراً باہر نکل جاؤ۔ ٹھیک ہے تمہارے آقا ابو داؤد سے میری دوستی ہے، مگر میں اُس کے کسی آدمی کو قلعے کی حدود میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

اُس نے تلوار لہراتے ہوئے کہا۔ "فوراً باہر نکلو۔"

ابو عمّار نے اپنی کمان پر تیر چڑھایا اور ولید بن حسّام نے آگے بڑھ کر کہا:

"ہم ابو داؤد کے آدمی نہیں ہیں اسد بن مغیرہ! مُجھے پہچان لو میں ولید بن حسّام ہوں۔ تمہاری چیخ و پُکار بے کار ہے۔ اِس قلعے پر میرے آدمیوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو۔ اور قید خانے کی کُنجی بھی جہاں بدر بن حسنین قید ہے۔"

"اوہ! ولید بن حسّام!" اسد بن مغیرہ نے حیرت سے کہا۔ اُس کی آنکھوں میں مکّاری تھی۔ پھر اُس نے قہقہہ لگا کر کہا:

"مُجھے معلوم ہے تمہارے ساتھ اور لوگ نہیں ہیں۔ اگر تمہارے ساتھ کوئی دستہ ہوتا تو اُس کی اطلاع مُجھے ضرور ملتی۔" اُس نے اپنے محافظوں کی طرف مُڑتے ہوئے کہا"

"آگے بڑھو اور اُنہیں ختم کر دو۔"

جیسے ہی اسد کے محافظ آگے بڑھے ابو عمّار نے ایک محافظ کا نشانہ لے کر تیر چلایا۔ تیر اُس کی کھوپڑی میں گھُس گیا۔ اُسی وقت اسد بن مغیرہ نے تلوار نکال لی اور ولید بن حسّام پر حملہ کر دیا۔ مگر ولید پہلے ہی ہوشیار تھا۔ دونوں میں جنگ چھِڑ گئی۔ یہ زندگی اور موت کی جنگ تھی۔ وہ ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ اِس دوران زہیر، ابو عمّار اور طلحہ نے محافظوں کو گھیر لیا۔ سب ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔

اسد بن مغیرہ سخت غصّے میں تھا۔ ولید آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا پھر وہ دیوار سے جا لگا۔ اُس کا پاؤں پھسلا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اُس نے پوری طاقت سے تلوار کا وار ولید بن حسّام پر کیا۔ ولید نے پھُرتی سے اپنا سر ایک طرف ہٹایا اور

جیسے ہی اسد کی تلوار فرش سے ٹکرائی ولید نے زمین پر لیٹے لیٹے تلوار کا وار اسد بن مغیرہ پر کی اور اُس کا ہاتھ کٹ کر دُور جا پڑا۔ اسد بن مغیرہ کی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ ولید نے دوسرا وار کیا اور اسد بن مغیرہ خون میں لت پت زمین پر گر پڑا اور کُچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اپنے سردار کا یہ حال دیکھ کر محافظ خوف زدہ ہو گئے اور اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

ولید نے اُن سے بدر بن حسنین کے بارے میں پوچھا اور وہ سب قافلے کی صورت میں قید خانے کی طرف روانہ ہوئے۔

ایک بہت بڑے دروازے پر پہنچ کر وہ رُک گئے جس کے کنڈے پر بہت بڑا اور بھاری قُفل لٹکا ہوا تھا۔ ولید نے قُفل کھولا اور بھاری دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھُل گیا۔ اندر تاریکی تھی۔ ایک سپاہی نے مشعل جلائی اور پھر راستہ دِکھایا۔ ولید نے اندر ایک شخص کو دیکھا جو گھاس پھوس پر بے سُدھ پڑا ہوا تھا۔ اُس کی داڑھی بے ترتیب تھی۔ اُس کے گالوں کی ہڈّیاں اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ آنکھیں ویران تھیں اور چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اُس کا سارا جسم زنجیروں سے بندھا

ہوا تھا۔ اُس نے قدموں کی آواز سُن کر اوپر سر اُٹھایا اور کہا۔ ”مُجھے مار دو ظالم، مُجھے مار دو۔“

ولید نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں اسد بن مغیرہ نہیں ہوں، ولید بن حسّام ہوں، تمہارا دوست۔ میں تمہیں چھُڑانے آیا ہوں۔ اب تُم آزاد ہو۔“

بدر بن حسنین خاموشی سے اُسے دیکھنے لگا۔ ولید نے اُس کی زنجیریں کھولنے کے لیے کہا۔ بدر بن حسنین کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ اُس سے اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ طلحہ اور ابو عمّار نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا۔ جب بدر بن حسنین کو باہر لایا گیا تو اچھّی خاصی رات ہو چُکی تھی۔

قلعے میں موجود لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ اسد بن مغیرہ مارا جا چُکا ہے تو اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور ولید بن حسّام نے اُنہیں کہا۔ ”تُم سب کو معاف کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر آئندہ تُم نے بغاوت کی تو پھر والیِٔ غرناطہ تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ آج سے بدر بن حسنین اِس قلعے کا نگراں ہے اور تُم سب کو اِس کی بات ماننی ہے۔“ سب نے گردن جھکا دی۔

ولید بن حسّام نے وہ رات قلعے میں گزاری۔ بدر بن حسنین اب ٹھیک تھا۔ دوسرے دن ولید نے حسنین سے اجازت لی اور ابو داؤد کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

بدر بن حسنین نے چلتے وقت اُس سے کہا کہ اگر چاہے تو اپنے ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ لے جائے۔ مگر ولید نے انکار کر دیا۔

اس نے کہا۔ ”مجھے اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ ہماری مدد ضرور کرے گا۔“

بدر بن حسنین نے دعاؤں کے ساتھ اُنہیں رُخصت کیا۔ وہ چاروں اپنے گھوڑوں پر سوار نئے سفر پر روانہ ہوئے۔

۲

وادیِ الصغیر سے قریب وادی احمر تھی اور بدر بن حسنین کے خیال کے مطابق ابو

داؤد اور اُس کے ساتھی اِن دِنوں وادی احمر کے اِرد گرد کہیں روپوش تھے اور وہیں سے نکل کر قریبی بستیوں اور قافلوں پر لوٹ مار کر رہے تھے۔ چناں چہ ولید اور اُس کے ساتھیوں کی اگلی منزل وادیِ احمر تھی۔ وادیِ احمر کا گورنر ولید کا اچھّا دوست تھا۔ ولید نے وادی احمر پہنچ کر گورنر کے یہاں قیام کیا اور پھر گورنر کے ساتھ مل کر ابو داؤد کو ختم کرنے کے لیے منصوبہ بندی کرنے لگا۔

اُنہیں یہاں آئے آج دوسرا دِن تھا۔ اِن دِنوں وادی میں بخار کی وبا پھیلی ہوئی تھی اِس وجہ سے سب لوگوں کی توجّہ اِس متعدی مرض کی طرف تھی۔ قلعے کی فصیل کے پاس ابو عمّار اور طلحہ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں نیچے پھیلی ہوئی بستی کو دیکھ رہے تھے۔ بڑا خوب صورت منظر تھا۔ طلحہ نے ابو عمّار سے کہا:

"کیا خیال ہے، ہم لوگ کب تک یہاں سے روانہ ہوں گے؟" ابو عمّار نے جماہی لیتے ہوئے کہا:

"بہت جلد، پروگرام تو یہی تھا کہ آج روانہ ہونا ہے، مگر آقا ولید نے ارادہ بدل دیا۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے وادی احمر میں آج کل بُخار کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ ہمارا

آقا یہاں کے گورنر کے ساتھ وادی احمر کے لوگوں کی مدد کرنے نیچے آبادی میں گیا ہے۔"

"ہاں، مگر اِس کام میں تو کافی وقت لگے گا۔ یہاں بیٹھے بیٹھے مُجھ پر سُستی سوار ہو گئی ہے۔ میں تو شکار کھیلنے جا رہا ہوں۔" طلحہ نے جھنجھلا کر کہا۔

ابو عمّار نے آہستہ سے کہا:

"طلحہ! میرے خیال میں اِن حالات میں تمہارا جنگل میں جانا ٹھیک نہیں ہے۔ ابو داؤد کے لٹیروں نے ویسے ہی لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ وہ تو پہلے ہی آقا ولید اور اُس کے ساتھیوں کی تلاش میں ہیں، کہیں اُن کے ہتھّے نہ چڑھ جانا۔۔۔"

"اُونہہ!" طلحہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ "ابو داؤد کے لُٹیروں سے کیا ڈرنا۔ میں شکار پر ضرور جاؤں گا اور رات کے کھانے پر تمہارے دستر خوان پر سالم ہرن پیش کروں گا۔"

ابو عمّار نے اُسے روکنے کی کوشش کی، مگر طلحہ نے اُس کی بات نہیں مانی اور شکار

کے لیے روانہ ہو گیا۔ ابو عمّار فصیل پر سے طلحہ کو جاتا دیکھتا رہا۔ طلحہ کے بائیں کندھے پر کمان اور پیچھے تیروں کا تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ نیام میں تلوار تھی۔ اُس کے خوب صورت سنہری بال اُس کی فولادی ٹوپی میں سے نکل کر لہرا رہے تھے۔ اس کا گھوڑا پلک جھپکتے میں کہیں سے کہیں پہنچ چُکا تھا اور وہ بڑا پُر جوش دِکھائی دے رہا تھا۔ شاید اِس لیے کہ وہ اِس وقت اپنے پسندیدہ مشغلے پر جا رہا تھا۔

جنگل قلعے سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ تھوڑی دیر میں طلحہ جنگل میں پہنچ چکا تھا۔ اُس نے کمان کندھے سے اُتار کر ہاتھ میں لے لی تھی۔ وہ شکار کی تلاش میں آگے بڑھتا رہا۔ اُس کی تیز نگاہیں درختوں میں ہرنوں کی ڈار کی تلاش میں تھیں۔ اُسے معلوم تھا کہ یہاں ہرن کا شکار ملتا ہے۔ ابھی وہ جنگل میں زیادہ اندر نہیں گیا تھا کہ اُس کی نگاہ ایک ہرن پر پڑی جس کا رنگ سُرخ تھا اور سینگ بالکل سفید تھے، وہ اچانک ہی درختوں کے جھُنڈ سے نکلا تھا۔ اُس نے گردن اُٹھا کر طلحہ کی طرف دیکھا تھا اور پھر قلانچیں بھرتا ہوا درختوں میں غائب ہو گیا۔

طلحہ نے اپنا گھوڑا اُس کے پیچھے دوڑایا، مگر ہرن تو ایک دم غائب ہو چُکا تھا۔ طلحہ

اُسے جھاڑیوں اور درختوں کے جھُنڈ میں تلاش کرتا رہا۔ کافی دُور آنے کے بعد اچانک جھاڑیوں کے پیچھے اُسے دوبارہ وہ ہرن نظر آیا۔ اُس نے تیزی سے اُس کی طرف گھوڑا دوڑایا۔ ہرن نے ابھی تک اُسے نہیں دیکھا تھا۔ پھر طلحہ نے گھوڑا روک لیا اور کمان پر تیر چڑھا کر ہرن کا نشانہ لینے لگا۔

ہرن کافی دُور تھا اور طلحہ کو ڈر تھا کہ کہیں نشانہ خطا نہ ہو جائے، مگر وہ زیادہ قریب جانے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ کیوں کہ اِس طرح ہو سکتا تھا ہرن اُسے دیکھ لے اور پھر کسی جھُنڈ یا جھاڑیوں میں چھُپ جائے۔

پھر اُس نے اللہ کا نام لے کر تیر چھوڑا۔ اچانک ہرن کو شاید خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ ایک دم مُڑا، لیکن اُسے دیر ہو چکی تھی۔ طلحہ کا چھوڑا ہوا تیر اُس کی گردن میں پیوست ہو گیا اور وہ زمین پر گِر کر تڑپنے لگا۔ طلحہ نے گھوڑے کو دوڑایا اور ہرن کے قریب اُتر کر اسے خنجر سے ذبح کر دیا پھر اسے اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر لاد کر واپسی کے لیے مُڑا۔

لیکن ابھی وہ زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ اس کی چھٹّی حِس نے اُسے خطرے کا

احساس دِلایا۔

طلحہ نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور عقابی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اُسی وقت ایک تیر سنسناتا ہوا اس کے قریب سے گزر کر سامنے درخت کے تنے میں پیوست ہو گیا۔ طلحہ نے اُس طرف دیکھا اور پھر اسے وہ مسلّح لوگ نظر گئے جن کے جسموں پر ابو داؤد کی وردی تھی اور وہ اُسے گھیرنے کے لیے اُس کے گرد دائرہ تنگ کر رہے تھے۔

طلحہ نے مُردہ ہرن کو جس کا جسم ابھی تک گرم تھا زمین پر پھینکا اور پھُرتی کے ساتھ درختوں کے جھنڈ کی طرف گھوڑا دوڑایا۔ اُسی وقت اُس پر تیروں کی بوچھاڑ ہوئی، مگر وہ اُن کی زد سے نکل چکا تھا۔ ابو داؤد کے آدمیوں نے اُس کا تعاقب شروع کر دیا۔ دُشمن کافی تعداد میں تھے۔ وہ ہر طرف سے اُسے گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ طلحہ گھنے درختوں کی آڑ میں اپنے گھوڑے کو ایک طرف دوڑا رہا تھا، مگر آگے جھاڑیاں اور درخت زیادہ گھنے نہیں تھے۔

طلحہ کو اُس وقت خطرے کا زیادہ احساس ہوا جب اچانک ہی چھے گھڑ سوار اس کے

کافی نزدیک پہنچ گئے۔ طلحہ نے گھوڑے کو اور زیادہ تیز دوڑایا اور پھر وہ اُن سے دُور نکل گیا۔

پھر جنگل ختم ہو گیا۔ اب طلحہ کے سامنے ایک ناہموار پہاڑی سڑک تھی جو لہراتی بل کھاتی اوپر چلی جا رہی تھی۔ مگر اِس وقت وہ چونک پڑا جب اس نے ابو داؤد کے چالیس پچاس گھُڑسواروں کو وہاں دیکھا جو قطار بنائے کھڑے تھے۔ "تو یہ راستہ بھی بند ہوا۔" یہ سوچ کر اُس نے گھوڑے کو گھمایا اور برابر والی کچّی سڑک پر ڈال دیا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ یہ سڑک وادیٔ احمر کو نہیں جاتی تھی۔ مگر طلحہ کے آگے اِس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

ابو داؤد کے آدمیوں نے اُسے کچّی سڑک پر جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ شور مچاتے اُس کے تعاقب میں آ رہے تھے۔ طلحہ نے اپنے گھوڑے کی گردن تھپتھپائی اور اُسے تیز بھاگنے کا اشارہ دیا۔ اب ابو داؤد کے آدمی اُس سے کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا تو خوش ہو گیا۔

وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ وہاں دو راستے تھے۔ ایک راستہ خیابان

جامی کو جاتا تھا اور دوسرا کالراج دریا کی طرف۔ طلحہ نے کُچھ دیر سوچا کہ اُسے کِس طرف جانا چاہیے۔ اس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ دُشمن ابھی پہاڑ کی چڑھائی سے بہت دُور تھے۔

طلحہ نے گھوڑا خیابانِ جامی کی طرف جانے والے راستے پر ڈال دیا۔ اُسے یقین تھا کہ خیابان جامی کا گورنر اُس کی مدد ضرور کرے گا۔

جب ابو داؤد کے آدمی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کا شکار بہت دُور خیابان جامی کی طرف گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا ہے۔

وہ پہاڑ کی چوٹی پر رُک گئے۔ انہیں محسوس ہو گیا تھا کہ اب وہ اُسے نہیں پکڑ سکیں گے۔ ان کے لیڈر نے غصّے میں بڑبڑاتے ہوئے کہا: "تُو بچ کر کہاں جائے گا۔ خیابان جامی کا گورنر ابو داؤد سے بہت خوف زدہ ہے۔ ہم اُس سے تُجھے حاصل کر لیں گے۔ وہ کبھی ہمارے مطالبے کو نہیں ٹھکرا سکے گا۔"

پھر وہ واپسی کے لیے مُڑ گئے۔

☆☆☆☆☆

شام ہو چُکی تھی۔ طلحہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ ولید زہیر اور ابو عمّار بہت پریشان تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا ولید کی پریشانی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ آخر وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اُن کا رُخ جنگل کی طرف تھا۔ ابو عمّار نے کہا:

"وہ اتنا غیر ذمّے دار نہیں ہے کہ بغیر بتائے کہیں چلا جائے۔"

ولید نے تشویش سے کہا:

"اللہ کرے وہ خیریت سے ہو۔"

تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ اُنہیں ایک مُردہ ہرن نظر آیا۔ شاید طلحہ نے اِس ہرن کو شکار کیا تھا۔

زہیر نے کہا۔ "مگر وہ اِسے یہاں کیوں چھوڑ گیا؟"

اندر گھنے جنگل میں ایک جگہ ولید نے اپنے گھوڑے کو رُکنے کا اشارہ کیا اور جھک

کر زمین پر دیکھنے لگا۔ وہاں بہت سے گھوڑوں کے سُموں کے نشان تھے جو تازہ دِکھائی دے رہے تھے۔ ولید نے زہیر سے کہا:

"یہاں کُچھ دیر پہلے ہی لڑائی ہوئی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ایک آدمی کے مُقابلے پر بہت سے تھے۔ دیکھو یہ چابک۔ اوہ یہ تو طلحہ کی چابک ہے۔ اللہ طلحہ کی حفاظت فرمائے۔"

وہ اب زیادہ سرگرمی سے طلحہ کو تلاش کرنے لگے۔ اُنہیں ڈر تھا کہ کہیں طلحہ کو ختم نہ کر دیا گیا ہو۔ "میرا خیال ہے یہ ابو داؤد کے آدمی ہوں گے۔"

زہیر نے کہا۔

"شاید۔" ولید بولا۔

اُس وقت تیز جھکّڑ چلنے شروع ہو گئے۔ بجلی کڑکنے لگی اور اِس کے ساتھ تیز بارش بھی شروع ہو گئی۔

ولید نے اپنے دونوں ساتھیوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اُس کا رُخ جنگل کے اندر

کے حصّے کی طرف تھا۔ پھر اُنہیں ایک چھوٹے سے ٹیلے میں غار سا نظر آیا۔ وہ اِس غار میں داخل ہو گئے۔ وہ ایک چھوٹا سا غار تھا، مگر اِس طوفان میں یہی غنیمت تھا۔ گھوڑے باہر بارش میں بھیگتے رہے۔ طوفان پوری رات رہا۔ بجلی کڑکتی رہی، ہوائیں سیٹیاں بجاتی رہیں اور موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ وہ تینوں رات پھر اِسی قدرتی غار میں پناہ لیے رہے۔

صُبح سورج نکلا تو طوفان ختم ہو چُکا تھا۔ اُنہوں نے اپنے گُم شدہ ساتھی کی تلاش دوبارہ شروع کر دی۔ کافی دیر تک وہ بھٹکتے رہے۔ دوپہر کے قریب ولید کے حسّاس کانوں نے کُچھ آوازیں سُنیں۔ یہ درختوں اور جھاڑیوں کے پتّوں کی کھڑکھڑاہٹ تھی۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں بھی سُنائی دے رہی تھیں۔ وہ تینوں خاموشی سے اِنتظار کرتے رہے۔

درختوں کے ایک گھنے جھُنڈ سے اچانک ہی چھے گھُڑسوار نمودار ہوئے۔ اُن کی وردیاں بتا رہی تھیں کہ وہ ابو داؤد کے آدمی ہیں۔ زہیر اور ابو عمّار نے فوراً اپنی تلواریں سونت لیں۔ ولید کا ہاتھ بھی تلوار کے دستے پر تھا۔ وہ سب مُستعد تھے،

کسی بھی حملے کے لیے بالکل تیّار۔

گھڑسواروں کے لیڈر نے آگے بڑھ کر حقارت آمیز انداز میں کہا۔ ”کون ہو تُم لوگ؟“ ولید نے کہا۔ ”میرا نام ولید بن حسّام ہے اور یہ میرے ساتھی زہیر اور ابو عمّار ہیں۔“

”اوہ تو یہ تُم ہو۔ ہمیں تمہاری ہی تلاش تھی۔“اُس شخص نے کہا۔

”ہاں، میں ہوں۔ تُم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟“ ولید نے خُشک انداز میں کہا۔

”ہم ابو داؤد کے آدمی ہیں اور میرے آقا ابو داؤد نے آپ کے لیے ایک پیغام بھیجا ہے۔ اُن کے قبضے میں آپ کا ساتھی ہے جس کا نام طلحہ ہے۔ بہت جلد اُس کو پھانسی دے دی جائے گی۔“

”اس کا مطلب ہے کہ طلحہ ابھی زندہ ہے۔“ولید نے خوشی سے کہا۔

”مگر وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا۔“ اس شخص نے کہا۔ ”اُسے بہت جلد پھانسی

دے دی جائے گی۔ البتّہ، اُس کے بچنے کی ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ تُم اپنے آپ کو ابو داؤد کے حوالے کر دو۔"

"کیا مطلب؟ کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" ولید نے سے کہا۔

"پوری بات تو سُن لو۔ تُم میرے آقا ابو داؤد کے پاس چلو۔ وہاں تمہارا اور اُس کا تلوار بازی کا مُقابلہ ہو گا۔ اگر تم جیت گئے تو ظاہر ہے طلحہ بھی آزاد ہو جائے گا اور اگر تُم ہار گئے تو طلحہ تُم کو کبھی نہیں مل سکے گا۔ یہ جنگ زندگی اور موت کی جنگ ہو گی۔ اگر تم تیّار ہو تو میرے ساتھ سوق الجمیل چلنا ہو گا۔ آج کل سوق الجمیل میرے آقا کے قبضے میں ہے۔ تمہارا اور میرے آقا کا مُقابلہ وہیں ہو گا۔" "یہ ایک سودا ہے۔ میں تمہارے ساتھ سوق الجمیل چلنے کو تیّار ہوں۔" ولید نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"میرے آقا!" زہیر نے احتجاج کیا۔ "آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ دھوکے باز ہیں۔ ابو داؤد کبھی اپنے وعدے کا پاس نہیں کرے گا۔ یہ فریب دے کر آپ کو ابو داؤد سے پاس لے جا رہا ہے۔ وہاں پہنچ وہ آپ سے تلوار بازی کا مُقابلہ نہیں

کرے گا، بلکہ آپ کو جان سے۔۔۔" غصّے سے زہیر کی آواز بھرّا گئی۔

ولید نے اس کے بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا دیا اور بولا۔ "میرا خیال ہے تلوار بازی کا یہ مُقابلہ ایمان داری سے ہو گا۔ مگر ہمارے اِس مُقابلے کا جج کون ہو گا جو جیتنے اور ہارنے والے کا فیصلہ کرے گا؟"

"خیابان جامی کا گورنر! تمہارے ساتھی طلحہ نے خیابان جامی کے قلعے میں پناہ لی تھی، مگر میرے آقا نے یہ خبر سُن کر اپنے ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ خیابان جامی پر چڑھائی کر دی۔ اُس نے گورنر سے مطالبہ کیا کہ طلحہ اُس کا مُجرم ہے۔ اُسے اُس کے حوالے کیا جائے۔ اِس پر خیابان جامی کے گورنر نے تلوار بازی کے مُقابلے کی شرط رکھ دی۔ میرے آقا نے اُسے منظور کر لیا۔ اب یہ مُقابلہ خیابان جامی کے گورنر کی نگرانی میں ہو گا۔"

ولید خاموشی سے اُس کی باتیں سُنتا رہا۔ زہیر اور ابو عمّار نے بھی اُس کے پیچھے اپنے گھوڑے آگے بڑھا دیے تھے۔ ابو عمّار نے زہیر سے کہا:

"میرا خیال ہے ہم اپنی موت کو خود دعوت دے رہے ہیں!"

"دیکھا جائے گا، ہمیں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔" جواب دیا۔ آگے آگے ابو داؤد کے آدمی تھے۔ اُن کے پیچھے تینوں زہیر ابو عمّار اور ولید تھے۔ شام کے وقت وہ سوق الجمیل کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ جگہ جگہ مٹّی کی کچّی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ وہاں کی گلیاں بہت تنگ تھیں۔ اُن سے نکل کر وہ سب ایک بڑے احاطے میں پہنچے۔ اِس کے چاروں طرف خوب صورت عمارتیں تھیں۔ سوق الجمیل کی مشہور و معروف سرائے تھی جہاں اِس وقت ابو داؤد موجود تھا۔

احاطے میں کُچھ لوگ ایک پلیٹ فارم سا بنا رہے تھے جس پر لکڑیاں کھڑی کر کے اِس طرح کی شکل بن گئی تھی جہاں پھانسی دی جاتی ہے۔ اِس احاطے میں ابو داؤد کے سپاہی پھیلے ہوئے تھے۔ جیسے ہی اُن کی نگاہ اپنے ساتھیوں پر پڑی وہ چونک پڑے۔ اُن سب کی نگاہیں اُن کے پیچھے آنے والے ولید، زہیر اور ابو عمّار پھر جم کر رہ گئیں۔ پھر جیسے انہیں ہوش آ گیا اور خوشی اور جوش سے چیختے ہوئے اُنھوں نے ولید اور اُس کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔

اندر سرائے میں ابو داؤد اِس وقت قہوہ پی رہا تھا۔ جیسے کانوں میں شور کی آواز پڑی اُس نے پیالہ رکھا، تلوار اُٹھائی اور دروازے کی طرف بڑھا۔

ابو داؤد بڑے مضبُوط جسم کا لحیم شحیم آدمی تھا۔ اُس کا چہرہ بہت بھیانک تھا۔ ولید کو سرائے کے دروازے کے آگے دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں شیطانی چمک آ گئی۔ اُس نے قہقہہ لگا کر کہا:

"اوہ، میدانِ جنگ کا بہادر نقاب پوش! آخر کار میرے جال میں چوہے کی طرح پھنس گیا۔" پھِر اُس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ "اِس کو گھسیٹ کر گھوڑے سے اُتارو اور کھینچتے ہوئے اندر لاؤ۔"

"دھوکا!" ابو عمّار نے چیخ کر کہا۔ اُس نے اپنی تلوار نکالنے کی کوشش کی، مگر اُس کو پکڑ کر گھسیٹ لیا گیا۔ ولید پہلے ہی گھوڑے سے نیچے اُتر آیا تھا۔ وہ سرائے کے اندر داخل ہوا۔ زہیر اور ابو عمّار اُس کے دائیں بائیں تھے۔ ابو داؤد ایک منقّش تخت پر بڑی شان سے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے ولید کو دیکھ کر مُسکراتے ہوئے کہا:

"آخر کار تُم میری گرفت میں آ ہی گئے۔ اب موت تمہارا مقدّر بن چُکی ہے۔ تُم

نے یہاں آتے ہوئے وہ پھانسی کا تیار پھندا تو دیکھا ہو گا، وہ میں نے تمہارے لیے ہی تو تیّار کیا ہے۔ میں نے تمہیں گھیرا ہے، داد نہیں دو گے؟" ابو داؤد مکّاری سے مُسکرایا۔

"ہاں، میں تمہاری دھوکے بازی پر تمہیں داد ضرور دوں گا۔" ولید نے کہا۔ "تُم نے تو مجھے یہ پیغام بھیجا تھا کہ مُجھ سے مُقابلہ کرو گے؟" ولید نے پوچھا۔

"مُجھے کیا ضرورت ہے کہ تُم جیسے حقیر کیڑے سے مُقابلہ کروں۔ یہ تو میری ایک چال تھی۔ میری برسوں سے یہ تمنّا ہے کہ تمہیں پھانسی کے تختے پر لٹکا ہوا دیکھوں۔ اب میری مراد پوری ہونے کا وقت آ گیا ہے۔"

پھر اُس نے ایک شخص کو اشارہ کیا اور کہا۔ "قیدی کو لے آؤ۔"

وہ شخص ایک طرف کو دوڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اُس کے ساتھ طلحہ بھی تھا۔ طلحہ کے پیچھے دو آدمی اور تھے۔ طلحہ نے جب ولید، زہیر اور ابو عمّار کو دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

وہ تینوں بھی زہیر کو زندہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اچانک اُنھوں نے آپس میں کُچھ اِشارہ کیا اور پھر طلحہ ایک دم زمین پر گر پڑا۔ اس کے محافظ اُسے اُٹھانے کو لپکے تو طلحہ نے نہایت پھُرتی سے دونوں کے سینوں پر لاتیں اُچھالیں اور پھر اُن کی تلوار پر قبضہ کر لیا۔

اِس دوران ولید، زہیر اور ابو عمّار نے بھی اپنی تلواریں نکالیں اور پھر وہاں ایک جنگ کا سماں پیدا ہو گیا۔ ابو داؤد کے آدمی اِس اچانک حملے سے بوکھلا گئے تھے۔ خود ابو داؤد حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ پھر اُسے ہوش آیا اور وہ خود بھی تلوار لے کر اُن کے مُقابلے میں نکل آیا۔

ولید اور اُس کے تینوں ساتھی لڑتے ہوئے باہر میدان میں نکل آئے۔ ابو داؤد بُری طرح چیخ رہا تھا۔ "ختم کر دو اُنھیں۔ پکڑ لو۔ مار دو۔"

مگر کوئی اُن کے قریب نہیں آ رہا تھا۔

پھر ابو داؤد کے بہت سے سپاہی آ گئے اور وہ آہستہ آہستہ اُن چاروں کے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنے لگے۔ اِسی وقت بگل بجا۔ سب نے پلٹ کر دیکھا۔ سوق الجمیل

میں وادی احمر کا گورنر داخل ہو رہا تھا۔ اُس کے ساتھ ہزاروں مسلّح سپاہی تھے۔ وہ ولید کا بہت اچھّا دوست تھا جو عین موقع پر اُس کی مدد کو آ گیا تھا۔

ابو داؤد کے سپاہی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ وادی احمر کے گورنر کے سپاہیوں نے ابو داؤد کے سپاہیوں کو پیچھے دھکیل دیا اور ولید اور اُس کے ساتھیوں کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ گورنر نے اپنے گھوڑے سے اُتر کر ولید سے مصافحہ کیا۔ اُس نے ولید کو بتایا کہ طلحہ کے پکڑے جانے کی خبر وادی احمر تک پہنچ چکی تھی اِس لیے میں مسلّح سپاہیوں کے ساتھ مدد کو آ گیا۔ مُجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اِس نے تمہیں دھوکے سے یہاں بُلوایا تھا۔

ابو داؤد اِس طرح پانسا پلٹتا دیکھ کر بڑا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اُس نے وادی احمر کے گورنر سے کہا۔

"میں نے کسی کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا۔"

"تو پھر تُم اپنے وعدے کے مطابق ولید سے تلوار بازی کا مُقابلہ کرو۔ اگر تُم اِس پر تیّار نہیں ہو تو میں اپنے سپاہیوں کو اشارہ کروں گا اور یہ تُم پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

گورنر نے گرج کر کہا۔

ابو داؤد کے پاس اِس کے علاوہ اور صورت نہیں رہی تھی کہ وہ ولید نے مُقابلہ کرے۔

مُقابلے کی تیّاریاں بڑے زور شور سے ہونے لگیں۔ بڑا جوش و خروش تھا۔ لیکن ابو داؤد سخت فکر مند تھا۔ اب فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ خیابانِ جامی کا گورنر اپنے ہزاروں مسلّح سپاہیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

مُقابلے کے لیے ایک بڑے سے میدان کا انتخاب کیا گیا۔ سوق الجمیل کے لوگوں کا ہجوم میدان کے گرد جمع ہو چُکا تھا۔ اور خیابانِ جامی کے سپاہیوں نے سارے میدان کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا تاکہ ابو داؤد اور اس کے ساتھی کوئی گڑبڑ نہ کر سکیں۔

ولید تلوار ہاتھ میں لیے میدان میں آ چُکا تھا۔ اُس کے تینوں جاں نثار ساتھی بھی اِس ہجوم میں موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد گورنر کے حکم پر ابو داؤد بھی میدان میں آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایک چمک دار تلوار تھی اور اُس کی آنکھوں میں

خون اُترا ہوا تھا۔

اور پھر مُقابلہ شروع ہو گیا۔ یہ زندگی اور موت کی جنگ تھی اور ابو داؤد کو زندگی کا چراغ گُل ہوتا نظر آ رہا تھا۔ لیکن اِس کے باوجود وہ شکست ماننے پر تیّار نہیں تھا۔ وہ اپنی تمام تر قوّت اور مہارت کے ساتھ مُقابلہ کر رہا تھا۔

جیسے جیسے وقت گُزر رہا تھا مُقابلے میں شدّت آتی جا رہی تھی۔ ابو داؤد بڑھ بڑھ کر حملے کر رہا تھا اور ولید دفاعی انداز میں اُس کے وار اپنی تلوار پر روک رہا تھا۔ اُس کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ وہ ابو داؤد کو تھکا مارے۔ ابو داؤد جوش اور غصّے کی حالت میں دیوانہ وار اُس پر تلوار چلا رہا تھا اور پھر اچانک اُس کی تلوار نے ولید کی تلوار کے دو ٹکڑے کر دیے۔ ولید کا ہاتھ جھنجھنا گیا اور اُس نے تلوار دُور پھینک دی۔ ابو داؤد کے ساتھیوں نے فتح کا نعرہ لگایا۔

اُسی وقت زہیر نے اپنی تلوار ولید کی طرف اُچھال دی جسے ولید نے فضا میں ہی پکڑ لیا۔ ابو داؤد نے پینترا بدل کر ولید پر وار کیا اور ولید جھکائی دے کر اُس کے عقب میں جا پہنچا۔ پھر ولید کی تلوار اُس کے سر پر پڑی، لیکن چوں کہ سر پر خُود

پہنا ہوا تھا اِس لئے وہ زخمی نہیں ہوا، مگر تلوار کے وار سے اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیر چھا گیا۔

ولید نے دوسرا وار اُس کے ہاتھ پر کیا اور ابو داؤد کی تلوار ہاتھ سے چھُوٹ گئی۔ ولید پیچھے ہٹ گیا۔ ابو داؤد نے جھپٹ کر دوبارہ اپنی تلوار اُٹھالی اور پھر اچانک اُس نے اپنی کمر کی پٹّی میں لگا ہوا خنجر نکال کر ولید کی طرف اُچھالا۔ ولید ہوشیار تھا اِس لیے اُس نے جھک کر خنجر سے خود کو بچایا اور نہایت پھُرتی کے ساتھ اُس نے تلوار دوبارہ ابو داؤد کے ہاتھ پر ماری۔ ابو داؤد کا ہاتھ زخمی ہو گیا اور تلوار دوبارہ زمین پر ِگر پڑی۔

اب ابو داؤد تھک چُکا تھا اور اُس میں وہ پہلے جیسی پھُرتی رہی تھی۔ اُس کے زخمی ہاتھ سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ وہ ِگری ہوئی تلوار اُٹھانے کے لیے جھُکا تو ولید نے بڑھ کر اُس کے ہاتھ پر تلوار ماری۔ ابو داؤد لڑکھڑا کر زمین پر ِگر پڑا۔ ولید نے اُس کے سینے پر تلوار کی نوک رکھ دی۔

ایک دم ساری فضا ولید زندہ باد کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ ولید مُقابلہ جیت چُکا

تھا۔ ابو داؤد نے بے چارگی سے آنکھیں بند کر لیں۔ ولید بن حسّام کے اشارے پر ابو داؤد کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر اُسے لے کر وہ وادیٔ احمر پہنچے جہاں ولید نے والیِ غرناطہ کو پیغام بھیجا کہ ابو داؤد کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

والیِ غرناطہ نے حکم دیا کہ وہ سینکڑوں بے گناہ لوگوں کا قاتل ہے اِس لیے اُسے پھانسی دے دی جائے۔

چناں چہ ایک صُبح ابو داؤد کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا گیا۔

رحم دِل ڈاکو

امِّ سُفیان کو جانے والی سڑک پر ایک شخص زخموں سے چُور پڑا تھا۔ اُس کے لباس پر جگہ جگہ خُون کے دھبّے تھے۔ اچانک ایک گھُڑسوار آتا دِکھائی دیا۔ گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں سُن کر زخمی نے آنکھیں کھول کر اُس طرف دیکھا۔ گھُڑسوار آہستہ آہستہ قریب ہوتا جارہا تھا۔ اُس نے عرب کے بدوؤں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر بندھے رومال سے اُس نے اپنا چہرہ چھُپا رکھا تھا۔ جب گھُڑسوار قریب آیا تو اُس کی نظر زخمی پر پڑی۔ اُس نے لگام کھینچ لی۔ زخمی اُس کی

طرف مدد طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"مُجھے بچالو، اللہ کے واسطے مُجھے بچالو۔"

گھُڑسوار نے زخمی کو غور سے دیکھا، پھر امِّ سُفیان کو جانے والی سڑک کو دیکھا۔ اُس کی بڑی بڑی چمک دار بھُوری آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ سڑک کے دونوں طرف نظریں دوڑاتا رہا۔ شاید وہ اُس شخص کو تلاش کر رہا تھا جس نے اِس اجنبی کو اِس حال کو پہنچایا تھا، مگر دُور دُور تک کسی کا پتا نہ تھا۔ پھر اُس نے نیام میں سے اپنی تلوار نکالی اور اپنے مُشکی گھوڑے کی پیٹھ پر سے کود کر نیچے آ گیا۔ اجنبی کو غور سے دیکھا اور پھر نرمی سے کہنے لگا:

"تُم تو بہت بُری طرح زخمی ہو یا اخی! پہلے میں تمہارے زخموں پر پٹّی باندھ دوں پھر ہم کوئی پناہ گاہ تلاش کریں گے، مگر یہ تو بتاؤ تمہیں اِس حال کو کس نے پہنچایا ہے؟"

"اس نے میری ماں کا چاندی کا ہار مُجھ سے چھین لیا اور مُجھے زخمی کر کے یہاں ڈال گیا۔ میری ماں کی صرف یہی ایک نشانی تھی۔"

گھُڑسوار نے ملائمت سے اُس کا کندھا تھپتھپایا اور بولا: ”مجھے بتاؤ میرے دوست، کون تھا وہ؟“

”وہ؟ وہ اُسامہ تھا، جو اپنے آپ کو غریبوں کا ہمدرد کہتا ہے۔“

یہ کہتے کہتے زخمی بے ہوش ہو گیا۔ اُس کا خون کافی نِکل چُکا تھا۔ گھُڑسوار نے بے ہوش زخمی کی پوری توجّہ اور ہوشیاری سے مرہم پٹّی کی۔ پھر اُس نے زخمی کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا کر گھوڑے کی پیٹھ پر اپنے آگے اِس طرح لِٹا لیا کہ اُس کا سر گھُڑسوار کی گود میں تھا اور پھر وہ چل پڑا۔

گھُڑسوار کسی گہری سوچ میں گُم تھا۔ اُس کے کانوں میں رہ رہ کر وہ الفاظ گونج رہے تھے:

”وہ اُسامہ تھا۔ غریبوں کا ہمدرد۔“

اُسامہ علاقے کا بدنام ڈاکو تھا جو دولت مندوں کے لیے موت اور غریبوں کے لیے رحمت کا فرشتہ تھا۔ وہ امیروں کو لُوٹتا اور غریبوں کو دیتا تھا۔ اگر اُسامہ کے

عِلم میں یہ بات آجاتی کہ فلاں گاؤں یا قصبے کے فلاں گھر میں کوئی بھُوک سے مر رہا ہے تو وہ بجلی کی طرح وہاں پہنچتا تھا اور اُس کی مدد کرتا تھا۔ جِن لڑکیوں کی شادی صرف اِس وجہ سے نہیں ہوتی تھی کہ اُن کے ماں باپ کے پاس اُن کو دینے کو جہیز نہیں ہوتا تھا تو اُسامہ اُن لڑکیوں کے لیے جہیز کا انتظام کرتا تھا۔ وہ کبھی کسی غریب کا دِل نہیں دُکھاتا تھا اور امیروں میں صرف تنگ دل اور ظالم لوگ ہی اُس کا نشانہ بنتے تھے۔

اُس وقت گھُڑسوار رہ رہ کر یہی سوچ رہا تھا کہ اُسامہ کسی غریب آدمی کو مار کر اُس کی ماں کا چاندی کا ہار کس طرح چھین سکتا ہے۔

”اُسامہ نے ہرگز کسی غریب سے اُس کی ماں کا چاندی کا ہار نہیں لوٹا ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔“

اجنبی گھُڑسوار بڑبڑا رہا تھا اور اُس کی بڑبڑاہٹ بالکل صحیح تھی کیوں کہ وہ خود اُسامہ تھا۔

”ضرور کوئی لُٹیرا میرے بھیس میں میرا نام لے کر لوگوں کو لوٹ رہا ہے۔ وہ

میرے اصول کے خلاف غریبوں کو اپنا نشانہ بنا رہا ہے، مگر وہ نڈر آدمی ہے کون؟ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کیا اُسے اپنی جان پیاری نہیں ہے؟"

تقریباً دو گھنٹے بعد اُسامہ ایک قصبے میں پہنچا جہاں سب لوگ اُس کے دوست تھے۔ اُس نے بے ہوش زخمی کو اُن کے حوالے کیا اور اُس کی دیکھ بھال کی ہدایت کی۔ چلتے وقت اُس نے کُچھ رقم بھی اُنہیں دی۔ اب اُس کا مقصد اُس شخص کو بے نقاب کرنا تھا جو اُس کے نام سے غریبوں کو لُوٹ رہا تھا۔

مغرب کے وقت وہ رُبابہ کی سرائے پہنچا۔ رُبابہ کی سرائے وہاں کے لوگوں کی جنّت تھی۔ سرائے میں پہنچ کر اُسامہ نے کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران بھی اُس کا دماغ مسلسل اُس شخص میں اُلجھا رہا جو نقلی اُسامہ بنا ہوا تھا۔ گزشتہ کئی ہفتوں سے اُسے یہ خبریں مل رہی تھیں کہ کوئی نقاب پوش اُسامہ کے حامیوں اور ہمدردوں کی بستیوں میں وارداتیں کر رہا ہے۔ نقاب پوش جہاں بھی ڈاکا ڈالتا وہاں کے لوگوں کو یہی تاثر دیتا کہ وہ اُسامہ ہے۔ اُس کا چہرہ تو نقاب میں چھُپا رہتا تھا۔ اِس لیے لوگ یہی سمجھتے کہ اُسامہ اب غریبوں کو بھی لوٹنے لگا ہے۔ وہ نہ صرف

لوگوں کو لوٹتا، بلکہ زخمی بھی کر کے چھوڑ جاتا۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امِّ سُفیان کے آس پاس کے علاقوں میں خوف و دہشت کی لہر دوڑ گئی اور لوگوں نے شاہراہ پر بھی تنہا سفر کرنا چھوڑ دیا۔

اُسامہ کے آگے بھیڑ کی بھُنی ہوئی ران رکھی تھی، لیکن وہ کھا کم رہا تھا اور سوچ زیادہ رہا تھا۔ پُر اسرار نقاب پوش نے اُسے اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔ اُس کو تو اپنی فکر پڑ گئی تھی۔ اکثر و بیش تر جب کبھی اُسامہ کو سپاہیوں سے چھُپنے کی ضرورت پڑی تو غریب بدّو اپنے دروازے اُس کے لیے کھول دیے تھے اور وہ جب تک چاہتا وہاں چھُپا رہتا اور حالات ساز گار ہوتے ہی وہ باہر آ جاتا تھا۔ اِس دوران گاؤں اور قصبوں کے غریب لوگ نہ صرف اُس کا اچھّی طرح خیال رکھتے بلکہ اُسے پل پل کی خبریں بھی پہنچاتے رہتے تھے۔

نقلی اُسامہ اُس کو غَلَط رنگ میں پیش کر رہا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ آئندہ کبھی کوئی غریب مُشکل حالات میں اُس کی مدد نہ کرتا۔ ظاہر ہے جو شخص اُن کے ساتھ زیادتی کرتا وہ اُس کی مدد بھلا کیوں کرتے۔ یہ بھی مُمکن تھا کہ اُن کی دوستی

اور ہمدردی دُشمنی میں بدل جائے اور وہ اُسے گرفتار کرا دیں۔ حکومت نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص اُسامہ کو زندہ یا مُردہ گرفتار کرائے گا اُسے انعام میں ایک ہزار اشرفیاں دی جائیں گی۔ یہ کوئی معمولی انعام نہ تھا، کوئی بھی لالچ میں آ کر اُسے حکومت کے حوالے کر سکتا تھا۔

اُسامہ نے اپنے آپ سے کہا:

”مُجھے ہر حالت میں اِس نقلی اُسامہ کو پکڑنا ہے۔ اِس سے پہلے کہ پانی سر سے اُونچا ہو جائے میں اُسے پکڑ لوں گا۔“

مگر اُس کو کِس طرح پکڑا جائے؟ اُس تک پہنچنے کی صرف ایک ہی صورت تھی۔ وہ یہ کہ اُسامہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو اُس کے چُنگل میں پھنسائے۔ اگر ایک بار وہ اُس تک جا پہنچا تو باقی کام آسان تھا۔ اب اُس کو کسی طرح اپنے آپ کو نقلی اُسامہ کی نظروں میں لانا تھا۔ یہ کام زیادہ مُشکل نہ تھا۔ اُس نے اشرفیوں کی ایک تھیلی اُٹھائی اور اُسے اُچھالتا ہوا آگے بڑھا۔ پھر اچانک تھیلی اُس کے ہاتھ سے گِر گئی۔ فرش پر اشرفیاں لڑھکتی چلی گئیں۔ رُبابہ کی سرائے کے ملازم یہ دیکھ کر

لپکے اور اشرفیاں سمیٹ کر اُسامہ کو دے دیں۔ اُسامہ نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ وہ جو کرنا چاہتا تھا کر چُکا تھا۔ اُس نے لوگوں کو یہ دِکھا دیا کہ اُس کے پاس اشرفیوں سے بھری تھیلی ہے۔ رُبابہ کی سرائے کے مالک نے آگے بڑھ کر اُسامہ سے کہا:

"یا اخی! اشرفیاں گِن لو۔ پوری ہیں نا!"

اُسامہ نے مُسکرا کر اُسے دیکھا اور بے پروائی سے بولا:

"پوری ہیں مُجھے خوشی ہے کہ سرائے کے سب ملازم ایمان دار ہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے تھیلی میں سے کُچھ اشرفیاں نکال کر سرائے کے مالک کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"یہ لو، اپنے ملازموں کو دے دو۔ یہ سب بہت اچھّے ہیں۔ مُجھے اب آگے جانا ہے۔"

رُبابہ کی سرائے کے مالک نے اشرفیاں اپنے ملازموں کو دے دیں، مگر وہ اُسامہ کی بات سُن کر پریشان ہو گیا۔ اُس نے اُسامہ سے کہا:

”اخی! رات ہو چکی ہے۔ راستہ خطرناک ہے۔ تمہارے پاس اشرفیاں بھی ہیں، ایسانہ ہو کہ وہ نقاب پوش لُٹیرا اُسامہ تمہیں لوٹ لے“

”لُٹیرا! اِس شاہراہ پر۔ مجُھے کسی کاڈر نہیں۔ تُم فکر نہ کرو دوست! لُٹیرا اُسامہ میرا کُچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اُس نے اگر میری طرف آنکھ اُٹھاکر دیکھنے کی کوشش کی تو میں۔۔۔۔“

یہ کہہ کر اُسامہ نے تلوار میان سے نکال کر لہرائی اور بولا: ”میں اُس کو اچھّی طرح سبق سکھاؤں گا۔“

رُبابہ کی سرائے کامالک بہت پریشان تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ اجنبی نوجوان ابھی اُسامہ سے واقف نہیں وہ ایسی بات ہرگز نہ کہتا، اُس کو ڈر تھا کہ کہیں اُسامہ کا کوئی مُخبر یا جاسوس اِس سر پھِرے نوجوان کی باتیں اُسامہ تک نہ پہنچا دے۔ سرائے کے مالک نے خوف زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا، جیسے اُسامہ کے مُخبر کو تلاش کر رہا ہو۔ اُسے اِس احمق نوجوان پر ترس آرہا تھا جو اپنی جوانی کے دُور میں بے تُکی باتیں کہے چلا جارہا تھا۔ نوجوان کی حفاظت کی اخلاقی ذمّے داری

اُس پر تھی، کیوں کہ وہ اُس کی سرائے میں مہمان بنا تھا۔ اب اس کا فرض تھا کہ اپنے مہمان کی حفاظت کرے۔ اُس نے ایک بار پھر اُس کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ نہیں مانا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں گُم ہو گیا۔ تھوڑی دور جا کر اُسامہ نے گھوڑا روکا۔ پھر اُس نے اپنی تلوار کو میان میں سے نکالا، اِس کے بعد گھوڑے کی زین میں کسے خنجر کو دیکھ کر اطمینان کیا۔ اِس طرح مطمئن ہونے کے بعد وہ آگے بڑھا۔ اب وہ تلوار ہاتھ میں تھامے بالکل مُستعد تھا۔ اُس کی عُقابی نگاہیں اندھیرے میں بھی ہر طرف دیکھ رہی تھیں۔ وہ بالکل چوکس تھا، ہر خطرے سے نمٹنے کے لیے تیّار۔ اُسے پورا یقین تھا کہ نقلی اُسامہ اس پر ضرور حملہ کرے گا۔ اُس نے سرائے میں جب اشرفیوں کی تھیلی جان بُوجھ کر گرائی تھی تو ایک آدمی کو دیکھا تھا جو وہ تھیلی دیکھ کر چونک گیا تھا اور پھر جلدی سے سرائے سے باہر چلا گیا تھا۔ وہ اُسی وقت سمجھ گیا تھا کہ ہو نہ ہو یہ نقاب پوش کا جاسوس ہے جو سرائے میں آنے والے مسافروں کے بارے میں اُس کو اطلاعات پہنچاتا ہے۔ اِس طرح یہ اِطلاع نقلی اُسامہ کو پہنچ چکی ہو گی کہ

رُبابہ کی سرائے میں ایک نوجوان کے پاس اشرفیوں سے بھری تھیلی ہے۔

آخر خطرہ اُس کے سامنے آ ہی گیا۔ سڑک کی چڑھائی پر دونوں طرف اُونچی اُونچی جھاڑیاں تھیں۔ جیسے ہی اُسامہ اِن جھاڑیوں کے قریب پہنچا، اُسے وہاں کُچھ حرکت سی محسوس ہوئی۔ اچانک اندھیرے میں ایک نقاب پوش گھُڑسوار نکل کر اُس کے سامنے آ گیا۔ اُس نے سخت لہجے میں کہا:

"اگر جان پیاری ہے تو اپنی جگہ رُک جاؤ اور اشرفیوں کی تھیلی میرے حوالے کر دو۔"

اُسامہ نے آہستہ سے اپنا ہاتھ خنجر کی طرف بڑھایا جو زین میں لگا ہوا تھا۔ نقاب پوش کے ہاتھ میں تلوار تھی جو رات کی تاریخی میں چمک رہی تھی۔ پھر اُسامہ نے اُس سے پوچھا:

"تُم کون ہو ہے؟"

"میں اُسامہ ہوں، مگر تمہیں اِس سے کیا۔ فوراً تھیلی میرے حوالے کر دو ورنہ

اُسامہ نافرمانی کرنے والوں کو زندہ نہیں چھوڑتا۔"

اُسامہ کی نظریں نقاب پوش پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ایک چھوٹے قد کا موٹا سا آدمی تھا۔ اس کا گھوڑا بہت لحیم شحیم تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا ہوا چھوٹا سا بچّہ لگ رہا تھا۔ اُس نے اپنے چہرے پر سیاہ نقاب ڈال رکھا تھا جس میں سے اُس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

"جلدی کرو تھیلی مُجھے دے دو۔" اُس نے تلوار کی حرکت سے اُسامہ کو حکم دیا۔ اُسامہ کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی جو اندھیرے میں نقاب پوش نہیں دیکھ سکا۔ اُسامہ نے آہستہ سے کہا:

"تمہیں اشرفیوں کی تھیلی چاہیے، یہ لو۔"

اچانک اُسامہ کے ہاتھ سے خنجر نکلا جو اُڑتا ہوا نقاب پوش کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ نقاب پوش چوں کہ بھیڑ کی کھال کی صدری پہنے ہوئے تھا، اِس لیے خنجر اُس کے بازو کو زخمی نہ کر سکا بلکہ موٹی صدری میں گھُس گیا۔ البتّہ نقاب پوش کے ہاتھ کو جھٹکا لگا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے چھُٹ کر نیچے جا گری۔ نقاب پوش

نے گھبرا کر چیخ ماری۔ وہ ہکّا بکّا اپنے خالی ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جس میں سے تلوار نکل کر دور جا گری تھی۔

اُسامہ نے دانت پیستے ہوئے کہا:

"اب پتا چلے گا کہ تُم کون ہو، اپنے چہرے سے نقاب اُتارو۔" یہ کہہ کر اُسامہ آگے بڑھا۔ اُس نے کہا:

"تُم جو کوئی بھی ہو اُسامہ نہیں ہو۔" یہ کہہ کر اُس نے ہاتھ بڑھا کر چاہا کہ اُس کا نقاب کھینچ لے، مگر اُس کا ہاتھ اُٹھا کا اُٹھا رہ گیا۔ تاریکی میں کسی نے اُس کی گردن پر تلوار کی نوک رکھ دی تھی۔ پھر سخت لہجے میں کسی نے کہا:

"ہاں، یہ تو اُسامہ نہیں ہے مگر میرا شک صحیح نکلا۔ اُسامہ تو تم ہو۔" اُسامہ نے صرف اتنی بات سنی۔ پھر اس کے سر پر کوئی بھاری چیز لگی اور اس کا ذہن اندھیرے میں ڈوب گیا۔

جب اُسامہ کو ہوش آیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ زمین پر پڑا ہوا ہے اور

اُس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔ اُسامہ نے بڑے ہاتھ پیر مارے کہ کسی طرح رسّی ڈھیلی ہو جائے، مگر وہ تو اِس قدر سختی سے باندھی گئی تھی کہ گوشت میں گڑی جارہی تھی۔ اس نے اپنے دُشمنوں کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی بے پروائی سے اُسامہ کو رسّی کی بندشوں کے ساتھ جدوجہد کرتے دیکھ رہے تھے۔ نقاب پوش اس وقت بے نقاب تھا۔ اس کا چہرہ لومڑی جیسا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے مکّاری صاف جھلک رہی تھی۔ اُس کا دوسرا ساتھی بھی چہرے سے بے رحم لگ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ زندگی میں کبھی مُسکرایا ہی نہیں۔

نقلی اُسامہ امِّ سُفیان کا ایک اُچکا تھا۔ اُس کا اصلی نام شمعون تھا۔ وہ چھوٹے موٹے ڈاکے ڈالتا تھا، مگر پھر اُس نے بڑے ہاتھ پیر مارنے شروع کیے۔ اِس کے لیے اُس نے اُسامہ کا نام استعمال کیا۔ اُسامہ کا نام سُن کر لوگ دہشت زدہ ہو جاتے تھے اور بغیر کسی مزاحمت کے اپنا مال و دولت اُس کے حوالے کر دیتے تھے۔ اِس سے شمعون کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ اُس کے ساتھی کا نام ابو احمر تھا۔ وہ دونوں جو مال لوٹتے اسے آدھا آدھا تقسیم کر لیتے، مگر بعد میں جب شمعون اور

نڈر ہو گیا اور مال بھی زیادہ لوٹنے لگا تو اُس نے احمر کا حصّہ کم کر دیا۔

شمعون نے اُسامہ سے کہا:

"قانون کو تمہاری تلاش ہے۔ تمہیں زندہ یا مُردہ گرفتار کروانے والے کو ایک ہزار اشرفیاں انعام میں ملیں گی۔ ہمارے تو مزے آ گئے۔ ہم دُہرے فائدے میں رہے۔ ایک تو اصل اُسامہ کو قانون کے حوالے کر کے انعام ملے گا اور پھر ہمیشہ کے لیے اُسامہ کا ڈر ختم۔ اس سارے علاقے پر ہماری حکومت ہو گی۔ جو چاہیں گے کریں گے۔"

پھر اُس نے احمر سے کہا:

"اس کو اُٹھا کر گھوڑے کی پیٹھ پر ڈال دو۔ ہمیں فوراً ہی روانہ ہو جانا چاہیے، کیوں کہ پرسوں چھٹّی کا دِن ہے۔ ہمیں امِّ سُفیان پہنچ کر اِسے قانون کے حوالے کر کے ایک ہزار اشرفیوں کا انعام بھی تو حاصل کرنا ہے۔ ہمارے پاس صرف کل کا دِن ہے۔"

اُسامہ بہت پریشان تھا۔ امِّ سُفیان پہنچ کر اگر اُسے قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا جاتا تو دُنیا کی کوئی طاقت اُسے پھانسی کے تختے پر لٹکنے سے سے نہیں بچا سکتی تھی۔ قاضی تو اس سے سخت پریشان تھا۔ شہروں، قصبوں اور گاؤں کے اُمرا اُسامہ کے ہاتھوں بہت نقصان اُٹھا چکے تھے۔ قاضی کے پاس اُسامہ کی شکایتوں کا ڈھیر لگ چکا تھا۔

اُسامہ کو اُلٹا کر اُس نے مُشکی گھوڑے پر اِس طرح ڈال دیا گیا کہ ایک طرف اُس کے دونوں بندھے ہوئے ہاتھ جھُول رہے تھے تو دوسری طرف ٹخنوں کے پاس سے بندھی ہوئی ٹانگیں۔ اُس کا چہرہ زمین کی طرف تھا۔ اُن کا امِّ سُفیان کا سفر شروع ہو چُکا تھا۔ اُسامہ اِس سے پہلے بھی کئی بار بڑی بڑی مُشکلوں میں گرفتار ہو چُکا تھا، لیکن اِس بار تو وہ بُری طرح پھنس گیا تھا۔

اچانک اُمّید کی ایک ہلکی سی کِرن اُس کی آنکھوں کے سامنے کوند گئی۔ اُس کے بندھے ہوئے ہاتھ گھوڑے کی رکاب کے پاس ہی جھُول رہے تھے۔ گھوڑے کی رکاب مسلسل گھِسنے اور دباؤ پڑنے کی وجہ سے کسی چاقو کی طرح دھار دار ہو گئی

تھی۔ اُس کی دھار کا احساس اُسامہ کو اُس وقت ہوا جب اُس کے جھولتے ہوئے ہاتھ رکاب سے ٹکرا گئے تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے چاقو سے اُس کی کھال کو چھیل دیا ہو۔ اب اُسامہ کو صرف یہ کرنا تھا کہ کسی طرح اپنے ہاتھوں کی بندشوں کو تیز دھار والی رکاب کے قریب لانا تھا اور پھر کُچھ گھوڑے کی حرکت کی وجہ سے اور کُچھ اپنی کوشش سے اگر وہ مسلسل اپنی بندشوں کو رکاب پر رگڑے تو رسّی کے کٹ جانے کا امکان تھا۔

اُسامہ نے یہ کوشش شروع کر دی اور گو اِس میں اُس کی انگلیاں بھی زخمی ہوئیں اور ہاتھ کی کھال پر بھی خراشیں آئیں، مگر اُسامہ کے لیے یہ معمولی تکلیفیں تھیں۔ وہ تن دہی اپنے کام میں لگا ہوا تھا، مگر وہ کام اِس طرح کر رہا تھا کہ احمر یا شمعون کو شک نہ ہو۔ شمعون کا گھوڑا اُسامہ کے آگے تھا اور احمر کا پیچھے۔

آخر کار رسّی کی پہلی گِرہ کھُل گئی۔ اُسامہ کا دِل خوشی سے بلیوں اُچھلنے لگا۔ اِس کے بعد دوسری گِرہ جلدی کٹ گئی اور تیسری اور چوتھی گِرہیں تو پلک جھپکتے میں کٹ گئیں۔ اب اُسامہ کے ہاتھ آزاد ہو چُکے تھے، مگر وہ ابھی تک گھوڑے کی پیٹھ

پر پڑا ہوا تھا۔ اب مسئلہ پاؤں کی رسّیوں کے کاٹنے کا تھا۔ یہ کام زیادہ مُشکل تھا۔ اُس نے کافی کوشش کی کہ گھوڑے کے پیٹ کے نیچے سے کسی طرح ہاتھ لے جا کر پاؤں کی رسّی کھولنے کی کوشش کرے، مگر گھوڑے کی کمر کا گھیر اچوڑا تھا اور اُس کے ہاتھ نیچے سے ٹخنوں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

اِس سے پہلے احمر اور شمعون اُس کے پیچھے چل رہے تھے، مگر بعد میں سڑک چوڑی ہونے کی وجہ سے وہ اُس کے دائیں بائیں ہو گئے۔ شمعون اُسامہ کے چہرے کی طرف تھا اور احمر پیٹھ کی طرف۔ شمعون نے چھیڑ خانی بھی شروع کر دی تھی۔ اُس نے اپنی لکڑی سے اُس کے چہرے کو ٹھوکا دیتے ہوئے کہا:

"مُجھے یہ سوچ کر بڑا مزا آتا ہے کہ ایک ہزار اشرفیوں کا انعام بس اب مُجھے ملنے ہی والا ہے۔"

اِسی وقت اُسامہ کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور احمر کو آواز دے کر بولا:

"احمر! تُم گھاٹے میں رہے۔ ایک ہزار اشرفیاں تو شمعون لے جائے گا۔ تمھیں کیا ملے گا؟ شاید ایک اشرفی۔"

اُسامہ کی چال کام یاب رہی، کیوں کہ احمر فوراً بولا:

"ہاں شمعون! اِس بات کا فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ رقم آدھی آدھی کیسے تقسیم ہو گی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، اصل خطرہ تو میں نے مول لیا ہے اُسامہ کا بھیس بدل کر۔ میں تُمھیں آدھا حصّہ کیوں دوں؟"

"کیوں نہیں دو گے؟ خطرہ تُم نے مول لیا تو کیا میں نے مول نہیں لیا۔ تمھیں رُبابہ کی سرائے میں ٹھیرنے والے مسافروں کی خبریں کون لا کر دیتا تھا۔ اگر میں کبھی پکڑا جاتا تو؟"

"پکڑے جاتے تو اپنی غلطی کی سزا بھگتے۔ بہر حال یہ بات کان کھول کر سُن لو۔ میں تمھیں صرف سو اشرفیاں دوں گا باقی سب میری ہوں گی۔"

اُدھر یہ جھگڑا بڑھتا گیا اور اِدھر اُسامہ کو کھُل کر کام کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے جسم کو اُٹھایا اور پھر کلائیوں کو جھٹکا دے کر اپنے ہاتھ آزاد

کرا لیے۔ احمر اور شمعون کو اپنے جھگڑے سے اِتنی فُرصت کب تھی کہ وہ دیکھ سکتے کہ اُسامہ آزاد ہو چکا ہے۔

شمعون احمر کو خوب بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ وہ بے خیالی میں اُسامہ کے گھوڑے کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اُس کی زین اُسامہ کی آنکھوں کے بالکل سامنے اُس کے ہاتھوں کے بہت قریب تھی۔ اُس میں لٹکا ہوا تیز دھار والا خنجر بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ اُسامہ نے ہاتھ بڑھایا اور ایک جھٹکے سے شمعون کے گھوڑے کی پیٹھ میں لگا ہوا خنجر کھینچ لیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے قلا بازی کھائی اور گھوڑے کی پیٹھ سے زمین پر آ گِرا۔ اُس کے ٹخنے ابھی تک بندھے ہوئے تھے۔ وہ سیدھا بیٹھ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔

اُسی وقت شمعون اور احمر نے جو آپس میں جھگڑتے جھگڑتے آگے بڑھ گئے تھے، پلٹ کر دیکھا۔ وہ دونوں بھی گھوڑوں پر سے کود پڑے۔

"خبر دار، آگے نہ بڑھنا ورنہ۔۔۔۔۔" اُسامہ نے اُن کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر خنجر کو لہرایا۔ دونوں ٹھٹک کر وہیں رُک گئے۔ ابھی تک اُن کی سمجھ میں یہ بات

نہیں آئی تھی کہ اُسامہ کِس طرح آزاد ہو گیا ہے۔ پھر اُنہوں نے دیکھا کہ اُسامہ کے پاؤں ابھی تک بندھے ہوئے ہیں۔ وہ اُس پر قابو پانے کے لیے اُس کی طرف لپکے۔ اُسامہ نے ایک قلابازی کھائی، مگر شمعون اُس کے سر پر پہنچ گیا اور تلوار سونت کر بولا:

"کیا خیال ہے؟ تمھیں قاضی کی عدالت میں زندہ پیش کیا جائے یا مُردہ؟"

اچانک پیچھے سے آواز آئی: "خبردار آگے نہ بڑھنا۔"

شمعون نے فوراً پلٹ کر دیکھا، ایک گھُڑسوار تلوار ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ شمعون نے اُس پر وار کیا، مگر گھُڑسوار اِس پھُرتی سے پیچھے ہٹا کہ وار خالی گیا، اب گھُڑسوار کی تلوار شمعون پر پڑی اور شمعون نیچے گِر کر ختم ہو گیا۔

احمر نے اپنے ساتھی کا یہ انجام دیکھ کر تلوار پھینک دی اور گھُڑسوار کے قدموں میں گِر گیا۔ "امان، یا اخی۔"

اتنی دیر میں اُسامہ بھی اپنے پاؤں کی رسّیاں کاٹ کر آزاد ہو چُکا تھا۔ اُس کے لیے

یہ گھُڑسوار اجنبی تھا، لیکن گھوڑے پر سوار نوجوان کو وہ پہچان گیا۔ یہ وہی نوجوان تھا جِسے نقلی اُسامہ زخمی کر کے راستے میں ڈال گیا تھا اور اُسامہ نے اُس کی جان بچائی تھی۔

بابر

سردیوں کا زمانہ تھا۔ سورج اپنی زرد زرد سی روشنی کو ہر طرف پھیلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میدانوں میں دُور دُور تک ویرانی تھی۔ اُونچی نیچی پہاڑیوں، بل کھاتی پگ ڈنڈیوں اور دشوار گزار راستوں سے گھُڑسواروں کا ایک قافلہ گُزر رہا تھا۔ اُن کے صحت مند اور توانا گھوڑے اپنی گردنیں بڑی شان سے اکڑائے چلے جارہے تھے۔ اِس قافلے کی قیادت سُرخ داڑھی والا، سُرخ سفید رنگ کا ایک خوب صورت نوجوان کر رہا تھا۔ سب گھُڑسوار سموری ٹوپیاں اوڑھے

ہوئے تھے۔ اُنہوں نے گرم لباس پہن رکھے تھے۔ اِس کے باوجود وہ سردی سے ٹھٹھرے جارہے تھے۔ مگر اُن کا رہنما ہر چیز سے بے پروا نظر آرہا تھا۔ اُس نے اپنے مضبوط اور گٹھیلے جسم پر چغّے کے اُوپر بھیڑ کی کھال کی ایک جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اُس کا سر کھُلا ہوا تھا۔ اُس کے تمام ساتھی اُسے بڑی حیرت سے دیکھ تھے۔

انہیں پہاڑی سِلسِلہ عُبور کر کے دوسری طرف جانا تھا۔ شام ہونے کو تھی۔ گھُڑ سواروں کے نوجوان سردار نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کا سفید بُراق گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ وہ جلد از جلد اِس پہاڑی سِلسِلے کو پار کرنا چاہتا تھا۔ اُس کی رفتار میں تیزی دیکھ کر اُس کے ساتھیوں نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی۔ یہ نوجوان کوئی اور نہیں بلکہ ہندستان میں مُغلیہ سلطنت کا بانی ظہیر الدّین بابر تھا۔ اس کی رگوں میں دو فاتحین کا خون دوڑ رہا تھا۔ ماں کی طرف سے اس کا سلسلہ نسب تیمور لنگ سے باپ کی طرف سے اس کا سِلسِلہ چنگیز خان سے ملتا تھا۔ بابر کے لفظی معنی چیتے کی طرح پھُرتیلا اور بہادر تھا۔

جب بابر پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا تو سورج نے مغرب کی طرف تیزی سے ڈھلنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے سامنے دُور دُور تک برف ہی برف تھی۔ اِس وقت برف کے اِس میدان کو پار کرنا مُمکن نظر نہیں آرہا تھا، کیوں کہ گھوڑے برف پر نہیں چل سکتے تھے۔ اگر وہ اِس برفانی میدان کو پار نہ کرتے تو رات کہاں بسر کرتے۔ پھر باہر کے ذہن میں فوراً ہی یہ خیال آیا کہ اِس برفانی میدان کے داہنے سِرے پر ایک غار ہے جس میں اُس کے تمام ساتھی نہ سہی کُچھ نہ کُچھ ضرور آسکتے ہیں۔

یہ خیال آتے ہی اُس کی رفتار ایک بار پھر تیز ہو گئی۔ وفادار جانور اپنے مالک کا اشارہ پاتے ہی ہوا ہو گیا۔

برف کے اِس میدان کو اور شام ہوتی ہوئی دیکھ کر باہر کے ساتھیوں کے اوسان خراب ہو گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اِس وقت اگر اِس میدان میں داخل ہو گئے تو صُبح تک سبھی اِس کو پار نہیں کر سکیں گے اور رات کہیں ٹھٹھر کر مر جائیں گئے۔ مگر بابر کے آگے دَم مارنے کی کسی کو جرأت بھی نہ تھی۔ اِس لیے مجبوراً

اُس کے پیچھے پیچھے نیچے اُترنے لگے۔ اِسی دوران سردی کی ایک تیز لہر آئی اور اُن کے دانت بجنے لگے۔ آہستہ آہستہ آسمان دُھندلا ہوتا جارہا تھا۔ بابر بھی موسم کی اِس بدلتی ہوئی کیفیّت کو غور سے دیکھ رہا تھا، مگر اُس نے اپنے چہرے سے پریشانی ظاہر نہیں ہونے دی۔ دِل ہی دِل میں وہ بہت ڈر رہا تھا اور اللہ سے اپنے ساتھیوں کی سلامتی کی دُعا مانگ رہا تھا۔ جب گھُڑسواروں کا وہ قافلہ نیچے پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔ اب تو اُنہیں ہر صورت میں ہی آگے بڑھنا تھا۔ واپسی کا اب کوئی امکان نہیں تھا۔ بابر کو تو بس یہ دُھن تھی کہ کسی طرح اپنے ساتھیوں کو اُس غار تک پہنچادے جو اُس نے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اُسے اپنی کوئی فکر نہیں تھی اپنے ساتھیوں کی فکر تھی۔

بدقسمتی سے اُسی وقت تیز ہوا چلنے لگی۔ اُس کے شور سے کان پڑی آواز بھی سُنائی نہیں دے رہی تھی۔ ہوا کی تیز سیٹیوں سے گھوڑے بھی بِدکنے لگے تھے۔ بابر کے ساتھی اِس ناگہانی آفت سے گھبرا کر رُک گئے۔ ویسے بھی آگے برف تھی جن پر گھوڑوں کا چلنا مُمکن نہ تھا۔ اِس پر طُرّہ یہ کہ برف باری شروع ہو گئی۔ دُور

دُور تک سر چھُپانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔

بابر مُشکل سے مُشکل حالات میں بھی اپنے ذہن پر قابو رکھتا تھا۔ اُس نے اِس صورتِ حال کا اچھّی طرح جائزہ لیا۔ یہ وقت حکم دینے کا نہ تھا، مگر اِس پریشانی سے اُن کو نکالنا بھی تھا۔ اُس نے سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کیا۔

وہ اپنے گھوڑے سے کُود کر اُترا۔ اُس نے بیلچہ لیا اور برف صاف کرنے لگا۔ برف اِس جگہ پانچ پانچ چھ چھ فِٹ تک گہری تھی۔ برف اور ہوا کے طوفان میں بابر راستہ صاف کرتا رہا۔ اُس نے تھوڑا سا راستہ صاف کرنے کے بعد ایک گھڑ سوار کو اِشارہ کیا کہ وہ اپنا گھوڑا وہاں لے آئے۔ اِس کے بعد وہ خود آگے جا کر برف صاف کر کے گھوڑوں کے گُزرنے کا راستہ بنانے لگا۔

بابر کے ساتھی اور دوست اِس پر ہر وقت جان نثار کرنے کے لیے تیّار رہتے تھے۔ اُس کی شخصیت میں بڑی کشش تھی۔ اُس کے وہ ساتھی جو ابھی تک خاموشی سے کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے اچانک ہوش میں آگئے۔ اُنھوں نے آگے بڑھ کر بابر سے بیلچہ لے لیا اور خود راستہ صاف کرنے لگے۔ مگر باہر ایک

طرف نہیں بیٹھا۔ وہ مسلسل اُن کے ساتھ لگا رہا اور تھوڑا تھوڑا راستہ صاف کر کے اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں کو قدم قدم بڑھاتا رہا۔

اب اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ طوفان میں اور بھی تیزی آگئی تھی۔ مگر ابھی منزل بہت دُور تھی، غار تک پہنچنے کے لیے اُن کو ابھی کافی راستہ صاف کرنا تھا۔ اُس کے ساتھیوں کی ہمّت ٹوٹنے لگی تھی۔ اُن کے ہاتھ پیر برف کی وجہ سے سُن ہوئے جا رہے تھے۔ اِس حالت میں برف کھود کر راستہ بنانا اُن کے لیے مُشکل ہوتا جا رہا تھا، مگر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جب اُن کی نگاہ اپنے سردار پر پڑتی تو اُن کے ذہن کو جھٹکا سا لگتا۔ وہ جیسے کسی جادُو کے اثر سے باہر نکل آتے تھے اور اُن کے ہاتھ پہلے سے زیادہ چلنے لگتے۔

خود بابر کی حالت بھی زیادہ اچھّی نہ تھی۔ اُس کے سر، چہرے، داڑھی اور کپڑوں پر برف جم گئی تھی مگر وہ اللہ کا بندہ بڑے عزم اور ہمّت والا تھا۔ اُس کے چہرے سے تھکن یا پریشانی کا کوئی اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ وہ کبھی سب سے آگے نظر آتا اور کبھی سب سے پیچھے۔ آگے جا کر وہ راستہ صاف کرنے والوں کے ساتھ مل کر

کام کرتا اور پھر پیچھے جا کر گھڑ سواروں کو آگے بڑھاتا۔ اُن کی حوصلہ افزائی کرنا اور اُن کو تسلّی دیتا۔ آخر بابر کی ہمّت اور دلیرانہ قیادت اور اُس کے ساتھیوں کی محنت رنگ لائی۔ غار کا دہانہ اب تھوڑا دُور رہ گیا تھا۔ اب ہر طرف مکمّل اندھیرا پھیل چُکا تھا مگر برف کے طوفان نے اور بھی شدّت اختیّار کر لی تھی۔ جب پہلا گھوڑا اِس راستے سے گُزر کر غار میں داخل ہوا تو بابر نے سکون کا سانس لیا۔ اُس کے ساتھیوں نے اُس سے بہت کہا کہ وہ پہلے اندر چلے مگر وہ مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اُس کے اشارے پر اُس کے ساتھی اور گھوڑے اندر جاتے رہے۔

وہ غار بہت چھوٹا تھا جلد ہی بھر گیا۔ اب مزید لوگوں کی اُس میں گنجائش نہ تھی۔ بابر اور اُس کے چند ساتھی ابھی باہر کھڑے ہوتے تھے۔ اُس کے کُچھ ساتھیوں نے کُچھ گھوڑوں کو باہر نکال دیا اور بابر کے لیے جگہ بنائی۔ اِس پر بابر نے بڑی ناراضی کا اظہار کیا۔ اُس نے کہا:

”اِن بے زبان جانوروں کو اِس وقت مُجھ سے زیادہ کِسی پناہ کی ضرورت ہے۔

انسان کو اشرف المخلوقات ہے۔ اپنے دماغ سے اپنے بچاؤ کے لیے کام کر سکتا ہے۔ مگر یہ جانور جو عقل نہیں رکھتا بھلا اپنا بچاؤ کس طرح کرے گا۔"

چناں چہ بابر کے حکم پر تمام گھوڑوں اور اُن کے سوار غار کے اندر پہنچا دیئے گئے۔ اب خود بابر اور اُس کے چند ساتھی باہر تھے۔ بابر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ برف میں ایک گہرا گڑھا کھود لو۔ اُس میں بیٹھ کر ہی اِس برفانی طوفان سے بچا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اُس کے ساتھیوں نے بابر کے ساتھ مل کر برف میں ایک گہرا گڑھا کھودا، مگر جب وہ سب لوگ اُس میں بیٹھے تو وہ چھوٹا پڑ گیا۔ یا تو اِس گڑھے کو اور بڑا کیا جاتا یا پھر دوسرا گڑھا کھودا جاتا، مگر اِس وقت اُس کے تمام ساتھیوں کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ اُن کے لیے نیا گڑھا کھودنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ حالات کا اچھّی طرح جائزہ لینے کے بعد بابر خود گڑھے سے باہر آیا۔ اُس نے اپنی کمر کی پیٹی میں اُڑسا ہوا خنجر نکالا اور دوسرا گڑھا کھودنا شروع کیا۔ اُس کے ساتھی یہ دیکھ کر مجبوراً باہر آئے۔ اُنھوں نے بابر کی بہت خوشامد کی کہ وہ اِس گڑھے میں چلا جائے، اُس گڑھے کو وہ خود کھود لیں گے مگر بابر نہ مانا۔ اُس نے

اُنہیں بڑی محبّت سے واپس بھیجا اور خود اپنے لیے گڑھا کھودتا رہا۔

سردی اور برف باری سے اُس کی انگلیاں جمنے لگی تھیں، مگر بابر نام ہی ہمّت اور پھرُتی کا تھا۔ اُس نے اتنا گہرا گڑھا کھود لیا کہ جس میں وہ بیٹھ کر سِر جھکائے تو ہواؤں سے محفوظ ہو جائے۔

چناں چہ وہ اپنے مقصد میں کام یاب ہو گیا۔ ساری رات اِس نسل کا بانی اُس گڑھے میں بیٹھا ٹھٹھرتا رہا جِس کو آگے چل کر ایک بہت بڑی سلطنت کی بنیاد رکھنی تھی۔ اُس کے سر، کمر، کندھوں اور کانوں پر برف گرتی رہی مگر یہ مردِ میدان اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

جاسوس

"ہوشیار! اب میری باری ہے۔ لو، میرا وار سنبھالو۔"

یہ آواز عدیل کی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تلوار تھی۔ وہ اپنی چھوٹی بہن تحسینہ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ عدیل کی عُمر بارہ تیرہ سال تھی جب کہ تحسینہ گیارہ سال کی تھی۔ دونوں بہن بھائیوں میں آپس میں بڑا پیار تھا۔ اِس وقت وہ اپنی نُورپور کی آبائی حویلی میں دوست دُشمن کا کھیل کھیل رہے تھے۔ نُورپور اور اُس کے آس پاس کا تمام علاقہ نوّاب شہامت خان کی خاندانی جاگیر تھا۔ نوّاب

شہامت خان تحسینہ اور عدیل کے والد تھے۔ آج کل حویلی میں وہ موجود نہیں تھے۔

"اپنی جگہ سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا ورنہ۔۔۔۔" یہ کہہ کر تحسینہ نے خالی بندوق سے عدیل کے سینے کی طرف اشارہ کیا، گویا وہ اُسے گولی مار دے گی۔ یہ چاند رات تھی۔ اگلے دِن عید تھی۔ اِس وقت یہ لمبی چوڑی حویلی بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔ اور دونوں بہن بھائی وقت گزاری کے لیے یہ کھیل کھیل رہے تھے۔ یہ تیسری عید تھی جو لڑائی کی نذر ہو گئی تھی۔ بادشاہ اور اُس کے باغیوں کے درمیان پچھلے تین سال سے لڑائی ہو رہی تھی۔ بادشاہ کے خلاف بغاوت اُس کے چچا کے بیٹے نے کی تھی۔ وہ مُلک کا تخت و تاج خود حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بے شمار لوگوں کو بھڑکا کر بادشاہ کے خلاف ایک زبردست فوج تیّار کر لی تھی، مگر بادشاہ کے جاں نثاروں کی بھی ملک میں کوئی کمی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ تین سال کی مسلسل جنگ کے بعد بھی وہ بدستور بادشاہ تھا۔ لیکن ملک میں بڑی بدامنی پھیل گئی تھی۔ ہر طرف لُوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ بادشاہ کے وفادار،

لوگوں کو صبر کی تلقین کر رہے تھے۔ جب کہ باغی ہر طرف دندناتے پھِر رہے تھے۔ وہ معصوم شہریوں کی جان ومال سے کھیل رہے تھے۔

نوّاب شہامت خاں بادشاہ کے پرانے وفادار امیر تھے، اِس وقت بادشاہ کو ان جیسے ساتھیوں کی ضرورت تھی۔ چناں چہ نہ صرف یہ کہ وہ خود بادشاہ کے باغیوں کے خلاف لڑ رہے تھے بلکہ اپنے ساتھ نُور پور اور آس پاس کے علاقوں کے بے شمار نوجوانوں کو بھی لے گئے تھے۔ نوّاب شہامت خان اپنے ساتھ اپنے بڑے بیٹے شکیل کو بھی لے گئے تھے۔ اور عدیل اور تحسینہ اِس حویلی میں اکیلے تھے۔ اُن کے ساتھ چند بوڑھے محافظ اور گھریلو ملازم تھے۔ بُوا جان حویلی کی پرانی ملازمہ تھیں۔ ان کو اس گھر میں ایک فرد کی حیثیت حاصل تھی۔ نوّاب صاحب کی بیوی عرصہ ہوا مر چُکی تھیں۔ اِس وقت حویلی میں بچّوں کے ساتھ بُوا جان تھیں اور دو خادمائیں اور تھیں۔ اس کے علاوہ چار بوڑھے محافظ بھی تھے جو ریٹائرڈ فوجی تھے۔ گو اب ان میں وہ طاقت اور توانائی باقی نہیں رہی تھی، مگر وفادار اور تجربے کار تھے، ہر مُصیبت سے نمٹنے کے لیے ہر وقت تیّار۔

نوّاب صاحب کی قلعہ نما حویلی نُور پور کے ایسے حصّے میں واقع تھی جہاں دشمن کی طرف سے زیادہ خطرہ نہیں تھا کیوں کہ وہ راستے سے کافی ہٹ کر تھی، مگر اِس وقت جب کہ بادشاہ کے باغی سپاہی اس کے جاں نثاروں کی بُو سونگھتے پھِر رہے تھے یہ حویلی کبھی زیادہ محفوظ نہیں کہی جا سکتی تھی۔ حویلی کا محافظ دستہ زیادہ مضبوط نہیں تھا اور کسی بڑے حملے کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ پھر بھی نوّاب شامت نے ہر مُمکن حفاظتی انتظام کر رکھا تھا۔ حویلی کے چاروں طرف ایک گہری کھائی جس میں ہر وقت پانی بھرا رہتا تھا، اِس کھائی کو پار کرنے کے لیے حویلی کے بڑے پھاٹک کے بالکل سامنے ایک چھوٹا سا پُل بنا ہوا تھا۔ پھاٹک کے پاس محافظوں کی کوٹھری تھی۔ نوّاب صاحب کا مالی جس کا نام کریم تھا، چوکیدار فیض بخش، جمع دار فضل دین اور سائیس شاہ جی جو چاروں ریٹائرڈ فوجی تھے، حویلی کے پھاٹک پر چوبیس گھنٹے پہرہ دیتے تھے۔ اُن کی موجودگی میں وہاں پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا تھا۔

عدیل کی بڑی خواہش تھی کہ وہ بھی بادشاہ کے باغیوں کے خلاف نوّاب صاحب

کے ساتھ جا کر جنگ میں حصّہ لیتا، مگر چوں کہ وہ چھوٹا تھا اِس لیے نوّاب صاحب اُسے ساتھ لے کر نہیں گئے، مگر جب کبھی اُسے زیادہ خواہش ہوئی تو وہ اپنی چھوٹی بہن تحسینہ کے ساتھ کھیل لیتا اور اِس طرح گویا باغیوں کے خلاف لڑ لیتا تھا۔ اُس دِن جب وہ دونوں یہ کھیل کھیل رہے تھے تو اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ کھیل حقیقت بننے والا ہے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا دو۔ خبر دار حرکت نہ کرنا۔" یہ کہہ کر عدیل تحسینہ کے پاس بڑے محتاط قدم اُٹھاتا ہوا پہنچ گیا۔ اب گویا تحسینہ عدیل کی قیدی بن چکی تھی۔ تحسینہ جلدی سے بولی:

"نہیں عدیل، میں اِس طرح گرفتار نہیں ہوں گی۔ میں تمہارے سر میں گولی مارتی ہوں۔"

"نہیں، گولی میرے سر میں نہیں لگے گی، بلکہ سر کو چھوتی ہوئی گزرے گی تو اِس کے بعد یا تو میں تمہیں پکڑ لوں گا یا تُم بھاگ جانا۔ ٹھیک ہے؟" عدیل نے دوسرا منصوبہ بنایا۔

"چلو، ٹھیک ہے، مگر وہاں راہ داری میں چلو۔" یہ کہ کر تحسینہ اور عدیل برآمدے کی طرف چل دیے جہاں ایک بڑا خوب صورت دریچہ بنا ہوا تھا۔ جاڑے کا موسم تھا۔ ہر طرف دُھند چھائی ہوئی تھی۔ راہ داری کی دیوار پر نوّاب شہامت کے آباؤاجداد کی بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ان کی شکلیں دیکھ کر خوف سا آرہا تھا، کیوں کہ اِن میں سے اب کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ تحسینہ دریچے سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ بڑا وحشت ناک منظر تھا۔ ہر طرف اُداسی اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ تین سال کی مسلسل جنگ نے ملک کے ماحول کو اور بھی افسردہ کر دیا تھا۔ اندھیرے میں جب درخت ہوا کے زور سے ہلتے تو یوں لگتا جیسے کوئی بھُوت چلا آرہا ہے۔ اِس وقت تحسینہ کو اپنی امّی یاد آ گئیں۔ تین سال پہلے وہ اِسی طرح چاند رات کو اِسی دریچے میں کھڑی ہوئی تھیں۔ اُس وقت تو تحسینہ کو وہ منظر بہت ہی اچھّا لگا تھا، مگر اِس وقت پتا نہیں کیوں اچھّا نہیں لگ رہا تھا۔ شاید امّی حضور کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ امّی کی یاد آتے ہی تحسینہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ دُور نُورپور کی بستی سے بچّوں کے شور کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہر

چاند رات کو بچّے اِسی طرح کھیلتے کودتے تھے۔ تحسینہ اور عدیل کا بڑا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی عام بچّوں کی طرح حویلی کے باہر جائیں اور سب کے ساتھ مل کر کھیلیں، خوب شور مچائیں، مگر نوّاب شہامت خاں کا حکم تھا کہ بچّے حویلی سے ہرگز باہر نہ نکلیں۔

عدیل بھی تحسینہ کے خیالات سمجھ رہا تھا۔ جب تحسینہ کے مُنہ سے آہ نکلی تو وہ اور بھی اُداس ہو گیا۔ اُس نے آہستہ سے کہا:

"تحسینہ! کیا بات ہے؟ تُم اداس کیوں ہو؟"

تحسینہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا: "کاش یہ لڑائی جھگڑے جلد ختم ہو جائیں۔ لوگ ایک دوسرے کو مارنے کے بجائے ایک دوسرے سے پیار کریں۔"

"تُم فکر نہ کرو تحسینہ! بہت جلد یہ لڑائی ختم ہو جائے گی۔ بادشاہ کے باغی ایک ایک کر کے ختم ہو جائیں گے۔ جیت بادشاہ کی ہی ہو گی۔"

"کیوں؟ بادشاہ کی جیت کیوں ہونی چاہیے۔"

”اِس لیے کہ وہ بادشاہ ہے۔ حکومت کرنے کا حق صرف اُسی کا ہے۔“ ”کیا بادشاہ ہمیشہ جیتتے ہیں؟“ تحسینہ نے بڑا عجیب سا سوال کر دیا۔ اُس کی بات سُن کر عدیل بغلیں جھانکنے لگا۔ اُس کے پاس تحسینہ کی بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ پھر اُس نے مضبوط لہجے میں کہا:

”ہاں بادشاہ ہمیشہ جیتتے ہیں بشرطیکہ وہ اچھّے ہوں، سچّے ہوں۔ لوگوں کا بھلا چاہنے والے ہوں۔ تو لوگ اُن کو پسند کیوں نہیں کریں گے۔“

”ہاں، ہمارا بادشاہ بھی تو اچھّا ہے۔ میری دُعا ہے کہ اِس جنگ میں جیت اُسی کی ہو۔ اللہ کرے یہ جنگ ختم ہو جائے، اور ابّا حضور اور شکیل بھائی کل یہاں عید کے دِن واپس آ جائیں۔ عید کی خوشی میں ہم ساتھ ہوں۔“ تحسینہ نے دُعا کی۔ عدیل نے جلدی سے کہا:

”عید تو ابّا حضور اور بھائی جان ہمارے ساتھ ہی منائیں گے۔ اُنہوں نے جو خط بھیجا تھا، اُس میں تو یہی لکھا ہے۔“

اس کے بعد عدیل نے تحسینہ کا دھیان بٹانے کے لیے اُس سے کہا۔ ”خیر تُم اِن

باتوں کو چھوڑو۔ آؤ، کھیلیں ورنہ ساری چاند رات بے کار ضائع ہو جائے گی۔"

ابھی اُنہیں کھیلتے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ عدیل ٹھٹک کر رُک گیا۔ اُس کی نگاہیں راہ داری کی آخری دیوار پر تھیں۔ یہ دیوار لکڑی کی بنی ہوتی تھی۔ اُس کے پیچھے سے ہلکی ہلکی سی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اندر کئی چوہے دوڑ رہے ہیں۔ عدیل کو دیکھ کر تحسینہ بھی رُک گئی۔ اُس نے بھی یہ آوازیں سُن لی تھیں۔ اُس کے چہرے پر دہشت تھی، تحسینہ کو ڈرتے دیکھ کر عدیل نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں، چوہے ہیں۔" وہ جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ تحسینہ جلدی سے سرگوشی میں بولی:

"نہیں عدیل، میں نے کِسی کے قدموں کی آواز سُنی ہے۔"

عدیل نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دونوں آنکھیں جھپکائے بغیر اُس طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن کے پر دادا نوّاب فصاحت خان کی تصویر کا فریم نیچے جھُول رہا تھا۔ وہ ڈوری کی وجہ سے گِرنے سے بچ گیا تھا، مگر فریم اپنی جگہ سے ہلا

کیسے؟ اِسی بات نے دونوں بہن بھائی کو اور زیادہ خوف زدہ کر دیا تھا۔ ابھی وہ دونوں سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کریں کہ اچانک اُس تصویر کے پیچھے والی دیوار کا ایک چوکور ٹکڑا اپنی جگہ سے سِرکا اور وہاں ایک کھڑکی سی نظر آنے لگی۔ پھر اُس کھڑکی میں سے ایک سر باہر آیا۔ اُس کے بعد پورا جسم باہر آ گیا۔ وہ آدمی کود کر باہر نکلا۔ اُس نے سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل سفید تھا۔ جو اندھیرے میں چمک رہا تھا۔ اُس نے سر پر پھُندنے والی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ وہ چہرے مُہرے سے کوئی بہروپیا یا جادُوگر معلوم ہو رہا تھا۔ اُس کی سفید سفید اُنگلیاں بہت ہی پتلی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ہڈّیوں کا کوئی پنجر سامنے ہے۔ وہ غالباً بادشاہ کا باغی تھا۔ عدیل کا خیال تو یہی تھا۔

وہ آدمی اندھیرے میں اِدھر اُدھر پھِر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا ہے کہ کِدھر جائے۔ تحسینہ اور عدیل دونوں حیرت سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ اُن کی نگاہوں میں ڈر کی جگہ دل چسپی اور حیرت تھی۔ وہ مُنتظر تھے کہ دیکھیے اب کیا کرتا ہے۔ اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے وہ ابھی تک اُن دونوں

کو نہیں دیکھ سکا تھا، اُس کے اِس طرح گھومنے سے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ حویلی کے اندر کے حصّے سے اچھّی طرح واقف ہے۔ ظاہر ہے وہ اِس خُفیہ راستے سے اندر آیا تھا جس کے بارے میں عدیل کو بھی کُچھ معلوم نہ تھا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کوئی گھر کا بھیدی تھا۔

اچانک اُس کی نگاہ اُن بچّوں پر پڑی۔ اُس نے اپنی پتلی پتلی انگلیوں کو آپس میں بل دے کر کہا:

"اوہ! پیارے بچّو! یہ نوّاب شہامت خاں کی حویلی ہے نا!" اُس کی آواز ہلکی سی سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔ عدیل نے تیز لہجے میں جواب دیا:

"ہاں، یہ نوّاب صاحب کی حویلی ہے، مگر تُم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟" یہ کہتے ہوئے عدیل نے تحسینہ کو اپنے پیچھے کر لیا تھا، کیوں کہ وہ ڈر رہی تھی۔ اُس نے اپنے ہاتھ کے جھٹکے سے گویا عدیل کے سوال کو ہوا میں اُڑا دیا اور اپنے ہاتھوں کو مداری کے سے انداز میں نچاتے ہوئے بولا:

"نُور پور کے بچّوں کے کھیلنے کودنے کی آوازیں نہیں سُن رہے؟ آج چاند رات

ہے اور کل عید ہے۔"

عدیل نے اپنی آواز کو اور تیز کرتے ہوئے کہا:

"مجھے معلوم ہے آج چاند رات ہے اور کل عید ہے۔ مگر تُم کون ہو؟ یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

عدیل اُس سے سخت لہجے میں اِس لیے بات کر رہا تھا کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ بچّے اُس سے خوف زدہ ہیں۔ عدیل کی بات سُن کر اُس نے اپنے سفید سفید دانت نکال دیے۔ تحسینہ کو ایسا لگا جیسے کوئی بھیڑیا مُنہ پھاڑے کھڑا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی جس کے دونوں کو ڈرا دیا۔ مگر اگلے ہی لمحے اُس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا اور مُسکرانے لگا۔ اُس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور بڑی مکّاری سے بولا:

"تُم دونوں نوّاب شہامت خاں کے بچّے ہو نا؟"

"ہاں۔" عدیل نے جلدی سے کہا۔ مگر پھر ایک کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا:

"مگر تُم کون ہو؟"

اُس نے عدیل کی بات کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اِسی طرح اپنے ہاتھ مسلتے ہوئے مُسکراتا رہا۔ اُس کے اِس عجیب انداز سے بچّے اور زیادہ خوف زدہ ہو رہے تھے۔ اُس نے پھر کہا:

"نوّاب صاحب حویلی میں نہیں ہیں؟"

عدیل نے کہا، "نہیں، وہ یہاں نہیں ہیں؟"

"کہاں ہیں وہ؟" اُس لئے بے صبری سے پوچھا۔

"وہ بادشاہ کے جاں نثاروں کے ساتھ اُس کے باغیوں سے لڑ رہے ہیں۔" عدیل نے بڑے فخر سے جواب دیا۔ اگلے ہی لمحے عدیل نے جلدی سے اپنے مُنہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اُس کی نگاہیں اجنبی کے چہرے پر تھیں۔ شاید اجنبی کو جو معلوم کرنا تھا وہ اُس نے کر لیا تھا۔ اُسے یہی معلومات تو چاہیے تھی۔ اُس کے بعد وہ بڑبڑانے لگا:

"اوہ! بد بخت بادشاہ! تُجھے کیسے کیسے لوگوں کی حمایت حاصل ہے۔ تُو بڑا خوش قسمت ہے، مگر بچ کر کہاں جائے گا! چاہے کتنے ہی سورما تیری حمایت کو آجائیں مگر ایک نہ ایک دِن تُجھے اِس مُلک کا تخت و تاج چھوڑنا ہو گا۔ تُجھے اِس زمین میں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔"

اجنبی کی باتیں سُن کر عدیل اور تحسینہ کا خون کھول اُٹھا۔ وہ بادشاہ کے جاں نثاروں کو کوس رہا تھا۔ گویا اُن کے ابّا حضور اور بھائی جان کو بد دُعائیں دے رہا تھا، عدیل کا دل چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر اُس کا مُنہ نوچ لے، مگر اُس نے صبر سے کام لیا اور غصّے سے بولا:

"خبر دار۔ جو اب اِس طرح کی بات کی۔ ہمیں تمہاری بکواس سُننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ تُم بادشاہ کے باغی ہو، تُم جاسوس ہو، غدّار ہو۔ اِس خفیہ راستے سے اِس طرح پُر اسرار انداز میں تُم ہماری حویلی میں کیوں آئے ہو؟ کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟"

غصّے سے عدیل کی آواز لرزنے لگی، مگر اجنبی کے سکون میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔

اس نے بڑے اطمینان سے کہا:

"بھئی واہ! بڑا جوش ہے تُم میں تو۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنے ہاتھوں کو پھر مسلا اور بولا۔ "بادشاہ کی حکومت کے دِن پورے ہو گئے ہیں۔ اُس کی حمایت کرنے سے تمھیں کُچھ نہیں ملے گا۔ تُم نے پوچھا کہ میں یہاں کِس طرح آیا ہوں۔ تو میں اِس خفیہ راستے کے ذریعہ سے آیا ہوں اور کیوں آیا ہوں، اِس کا جواب ہے تمھیں بچانے۔ سُنو بچّو! نوّاب صاحب میدانِ جنگ میں ہیں۔ تُم یہاں اِس حویلی میں بالکل تنہا ہو۔ تمھاری حفاظت کا کوئی انتظام بھی نہیں کیا گیا ہے۔ تمھاری جانوں کو زبردست خطرہ ہے۔ یہاں تمھاری حفاظت کے لیے گھُڑسواروں کا ایک دستہ ہی تو ہے نا!"

یہ کہہ کر وہ رُک گیا اور عدیل کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ عدیل سمجھ گیا کہ وہ چالاکی سے اُس سے یہ اُگلوانا چاہتا ہے کہ حویلی کی حفاظت گھُڑسوار کر رہے ہیں یا نہیں۔ عدیل نے اُس سے کہا:

"گھڑسواروں کا دستہ تو نہیں ہے یہاں، مگر ایسے تجربے کار اور زبردست محافظ

ہیں کہ جو ایک بڑی فوج سے ٹکّر لے سکتے ہیں۔ گولا بارود کی ہمارے پاس کوئی کمی نہیں ہے۔"

یہ سُن کر وہ حیران رہ گیا۔ "محافظ دستہ ہے اِس حویلی میں؟ کتنے لوگ ہیں؟"

اُس کی بات سُن کر عدیل کی نظروں کے سامنے حویلی کے چاروں بوڑھے محافظ، بُوا جان اور دو ملازمائیں گھوم گئیں، مگر پھر اُس نے اپنے خیال کو جھٹک کر سینہ تان کر کہا:

"تمہیں اِس سے کیا کہ کتنے لوگ ہیں، مگر جو بھی ہیں وہ بڑے سے بڑے حملے کا مُقابلہ کر سکتے ہیں، یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ لو۔"

عدیل کی بات سُن کر وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اُس نے بڑی مکّاری سے کہا:

"واقعی تُم بڑے بہادر ہو لڑکے جو ایسی باتیں میرے سامنے کر رہے ہو۔ مگر ابھی تُم بچّے ہو۔ اِس حویلی میں بہت بڑا ہنگامہ ہونے والا ہے۔ کُچھ لوگ اِس پر حملہ کریں گے اور میرا مقصد صرف تُم لوگوں کی جان بچانا ہے۔ میں تمہارا دوست

ہوں۔ تمہاری بھلائی اور سلامتی چاہتا ہوں۔"

"تُم دوست نہیں ہو۔" عدیل نے سختی سے کہا۔ "دوست کبھی خُفیہ راستوں سے چوروں کی طرح نہیں آئے، سرگوشیوں میں باتیں نہیں کرتے اور تمہاری حرکتیں یہ ظاہر کر رہی ہیں کہ تُم ایک چالاک اور مکّار آدمی ہو اور کسی بُرے اِرادے سے حویلی میں گھُسے ہو۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔" یہ کہہ کر عدیل آگے بڑھا۔ اُس نے تحسین کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اجنبی نے اچانک اپنا ہاتھ بڑھا کر اُسے رُکنے کا اشارہ کیا۔ اور غرّاتے ہوئے بولا:

"رُک جاؤ لڑکے! میں یہاں تمہاری جان بچانے آیا ہوں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ اِدھر آؤ۔ میرے پاس اور مُجھے بتاؤ کہ حویلی میں کتنے محافظ ہیں اور اُنہوں نے کہاں کہاں مورچے لگا رکھے ہیں؟" اُس نے دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں آپس میں پھنسا رکھی تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں بڑی بے چینی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کُچھ پریشان ہو۔ پھر اُس نے کہا:

"جلدی کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔ میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا۔"

عدیل نے اُس کو گھورتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا:

"میں تُمھیں کُچھ نہیں بتاؤں گا۔ مُجھے جانے دو ورنہ میں شور مچا دوں گا۔ میرا محافظ عملہ اُوپر آکر تمہاری تِکّا بوٹی کر دے گا۔"

یہ کہہ کر عدیل آگے بڑھا ہی تھا کہ اجنبی نے اُس کو پیچھے دھکیل دیا۔ اِس وقت وہ عدیل کو خونخوار بھیڑیا لگ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں نفرت غصّہ اور جھنجھلاہٹ تھی۔ اُس نے خوفناک لہجے میں کہا:

"اپنی جگہ کھڑے رہو۔ میری اُنگلیاں دیکھی ہیں۔ یہ بہت پتلی اور نازک لگ رہی ہیں، مگر یہ خنجر سے زیادہ مضبوط اور تیز ہیں۔ تُم دونوں میں اگر کسی کے حلق سے بھی ذرا سی آواز نکلی تو یہ اُنگلیاں اُس کے گلے پر ہوں گی۔ اب جلدی بتاؤ کہ یہاں کتنے لوگ ہیں اور کہاں کہاں ہیں؟"

وہ انگلیاں تان کر عدیل اور تحسینہ کی طرف بڑھا۔ اُس کے ہاتھ شکاری پرندے کے پنجے معلوم ہو رہے تھے۔ تحسینہ کا ڈر کے مارے بُرا حال تھا۔ وہ عدیل کے کندھے سے لگی رو رہی تھی۔ عدیل کا دماغ تیزی سے کُچھ سوچ رہا تھا اور پھر

اچانک ہی اُسے اُمّید کی ایک کرن نظر آ گئی۔ اُس نے اپنی خوشی کو قابو میں کر کے اجنبی سے بڑے ادب سے پوچھا: ”جناب! آپ کا نام کیا ہے؟“

عدیل کی نرم آواز سُن کر اجنبی بھی حیران ہو گیا۔ اِس طرح بات کرنے کا مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت گزارا جائے۔ عدیل نے بڑے غیر محسوس انداز میں تحسینہ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑکی کی طرف کھسکنا شروع کیا۔

”میرا نام! میرا نام۔۔۔۔“ وہ کُچھ حیران اور کُچھ پریشان نظر آ رہا تھا۔ پھر کُچھ دیر سوچنے کے بعد اُس نے کہا:

”میرا نام صفدر جنگ ہے۔ مگر تمہیں اِس سے کیا۔ مُجھے صرف اِس سوال کا جواب دو جو میں نے تُم سے پوچھا ہے، ورنہ میں۔۔۔۔۔“ وہ اب ڈرانے دھمکانے پر اُتر آیا تھا۔ اِس وقت تک عدیل اور تحسینہ اُسے باتوں میں اُلجھا کر دریچے تک پہنچ چُکے تھے۔ اچانک عدیل نے گھوم کر وہ تلوار اور بندوق اُٹھا لی جس سے وہ کھیل رہے تھے۔ عدیل نے تلوار خود سنبھالی اور بندوں تحسینہ کی طرف اُچھال دی۔ تحسینہ نے جلدی سے بندوق اجنبی کی طرف تان لی اور بولی۔

”صفدر جنگ پیچھے ہٹ جاؤ، ورنہ تمہاری لاش یہاں تڑپتی نظر آئے گی۔“ اِس اچانک کارروائی سے اجنبی گھبرا گیا۔ اُس کا مُنہ کھُلا کا کھُلا رہ گیا۔ پھر اُس نے جلدی سے اپنے لباس میں ہاتھ ڈالا۔ اُسی وقت عدیل نے ڈانٹ کر کہا: ”خبردار پیچھے ہٹ جاؤ۔“

صفدر جنگ تیزی سے گھوما اور اپنی جان بچانے کے لیے خُفیہ راستے کی طرف لپکا۔ اُس کو کیا معلوم تھا کہ بندوق خالی ہے۔ اور عدیل اُس پر تلوار سے کوئی وار نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ وہ تلوار کھلونے کی تھی۔ عدیل چاہتا تو اُسے ایک لمحے میں پکڑ سکتا تھا، مگر اِس کا کیا فائدہ تھا۔ اُلٹی پول کھُل جاتی۔ ہتھیار نقلی جو تھے، لہٰذا دونوں بہن بھائیوں نے یہی بہتر سمجھا کہ اُسے ڈرا دھمکا کر بھگا دیا جائے۔ وہ جلدی سے خُفیہ راستے میں گھُس کر غائب ہو گیا۔

عدیل نے تحسینہ سے کہا:

”تحسینہ! آؤ ہم ابّا حضور کا دیوان کھینچ لائے ہیں اور اُسے اِس کھڑکی کے آگے رکھ دیتے ہیں۔“ تحسینہ اور عدیل نے جلدی جلدی راہ داری میں رکھے ہوئے

دیوان کو کھینچا اور لا کر خُفیہ راستے کے آگے کھڑا کر دیا تا کہ کوئی اِس راستے سے دوبارہ نہ آ سکے۔ اِس دوران وہ دونوں اِس خفیہ راستے میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سُنتے رہے۔ کُچھ دیر بعد سیٹی کی آواز سُنائی دی۔ غالباً صفدر جنگ نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا تھا۔ اِسی لمحے اُن کے پر دادا نوّاب فصاحت خان کی تصویر کا فریم دیوان سے ٹکرایا اور اُس کا شیشہ ایک زور کے چھنّاکے کے ساتھ ٹوٹ گیا۔ تحسینہ اور عدیل کو بڑا افسوس ہوا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ عدیل خاموش کھڑا سوچ رہا تھا کہ سیڑھیوں پر بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سُنائی دیں۔ وہ بُوا جان تھیں جو یہ آواز سُن کر گھبرا کر آ گئیں تھیں۔

”کیا ہوا بچّو! یہ کیسا شور ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ شیشہ کیسے ٹوٹا؟ یہ دیوان یہاں کون لایا ہے؟“ اُنہوں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔ عدیل اور تحسینہ نے مُسکرا کر اُن کی طرف دیکھا اور پھر ساری کہانی اُنہیں سُنا دی۔ یہ سُن کر بُوا جان کے تو چھکّے چھوٹ گئے۔ وہ پریشان ہو کر بولیں:

”میرے بچّو! جلدی کرو۔ یہاں سے نیچے چلو۔ وہ بادشاہ کے باغی ہیں جو حویلی کو

گھیر رہے ہیں۔ صرف اس لیے کہ نوّاب صاحب بادشاہ کے جاں نثار دوست ہیں۔"

عدیل نے کہا:

"بُوا جان! آپ گھبرائیں نہیں، میں ابھی بابا کریم، بابا فیض، بابا فضل دین اور شاہ جی کو بُلاتا ہوں۔ آپ تحسینہ کو لے جایئے۔" یہ کہہ کر عدیل بھاگتا ہوا نیچے چلا گیا۔

وہ چاروں حویلی کے بڑے دروازے پر موجود تھے اور اپنے کام میں مصروف تھے۔ چاروں بڑے ہی چوکس انداز میں پہرے داری کر رہے تھے۔ عدیل جب گھبرایا ہوا اُن کے پاس پہنچا تو وہ پریشان ہو گئے۔ بابا کریم نے جلدی سے آگے بڑھ کت کہا:

"چھوٹے نوّاب! کیا بات ہے؟ آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟"

عدیل نے ہانپتے ہوئے ساری کہانی اُنہیں سُنائی۔ سب حیران ہو گئے۔ بابا کریم

نے آہستہ سے کہا:

”وہاں ایک خفیہ راستہ حویلی تک آتا ہے۔ وہ کیکروں کے پیچھے سے شروع ہوتا ہے اور اُوپر والی منزل کی راہ داری میں نکلتا ہے۔“

بابا کریم کی بات سُن کر عدیل حیران رہ گیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ خُفیہ راستے کے بارے میں شاید کسی کو کُچھ معلوم نہ ہو گا۔ بابا کریم نے عدیل کو بتایا کہ نوّاب صاحب کے اور خود اُس کے علاوہ اِس خفیہ راستے کا کسی کو عِلم نہیں ہے۔ پھر اُنھوں نے عدیل سے اجنبی کا نام پوچھا تو عدیل نے صفدر جنگ بتایا۔ یہ نام سُن کر بابا کریم سوچ میں پڑ گئے۔ پھر بولے:

”یہ نام پہلے کبھی نہیں سُنا۔ یہ ضرور کوئی جاسوس ہے جو ہماری حویلی کے اندر کے حصّے سے اچھّی طرح واقف ہے۔ اُس کو خفیہ راستہ بھی پتا ہے۔ نہ جانے وہ اکیلا ہے یا اُس کے ساتھی بھی اُس کے ساتھ ہیں۔ خیر، یہ تُم نے اچھّا کیا چھوٹے نوّاب کہ اُسے واپس خفیہ راستے میں دھکیل دیا۔“

”ہاں بابا، اور میں نے اُس راستے کے آگے دیوان بھی کھڑا کر دیا ہے۔“ عدیل

جلدی سے بولا۔

"اچھّا کیا تُم نے۔ ہمیں ایک بڑی مُصیبت سے بچا لیا، مگر میرے خیال میں اب وقت نہیں ہے۔ ہمیں فوراً ہی حرکت میں آ جانا چاہیے۔"

اس دوران بُوا جان، دونوں خادمائیں اور تحسینہ بھی گھبرائی ہوئی وہاں پہنچیں۔

"اب کیا ہوا بُوا جان؟" بابا کریم نے پوچھا۔ اُن سب میں بابا کریم ہی سب سے بڑے اور تجربے کار تھے۔ لہٰذا سب نے اُنہیں وقتی طور پر اپنا سردار بنا لیا تھا۔ بُوا جان ہانپتی ہوئی بولیں: "قدموں کی آوازیں راہ داری میں آ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔ کوئی اب بھی خُفیہ راستے کے اندر ہے۔ شاید کئی آدمی ہیں۔"

بابا کریم نے کہا:

"ہاں مُجھے بھی یہی شک تھا کہ وہ ابھی وہاں ہیں اور دوبارہ ضرور آئیں گے۔ اب سب لوگ دھیان سے سُنیں۔ ہم چاروں طرف سے گِھر گئے ہیں۔ حویلی میں کوئی جاسوس داخل ہونا چاہتا ہے۔ اُس کے ساتھ ہمارے بہت سے دُشمن بھی ہیں۔

ہم اُنہیں حویلی میں آنے کا پورا پورا موقع دیں گے۔ اور یہاں اُن کا شایانِ شان اِستقبال کریں گے۔ بس سب خاموش رہیں اور بڑی ہوشیاری سے اپنا اپنا کام کریں۔ آپ لوگوں کا کام یہ ہو گا کہ مرد فائرنگ کریں گے اور عورتیں اُن کی بندوقیں بھریں گی۔ آپ بُوا جان تحسینہ کو اپنے کمرے میں لے جائیں۔"

"نہیں بابا، میں نہیں جاؤں گی۔ میں آپ سب کے ساتھ یہیں رہوں گی۔ میں بھی لڑائی دیکھوں گی۔" تحسینہ بولی۔

"نہیں بیٹی! یہ مناسب نہیں ہے۔ تمہیں خدا نخواستہ کُچھ ہو گیا تو میں نوّاب صاحب کو کیا مُنہ دِکھاؤں گا؟"

"تو پھر آپ عدیل کو بھی میرے ساتھ بھیجیں۔" تحسینہ نے کہا۔

"وہ بڑے ہیں، طاقت ور ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ نوّاب صاحب کے بیٹے ہیں۔ نوّاب صاحب اگر تلوار چلا سکتے ہیں، بندوق چلا سکتے ہیں تو عدیل بھی چلائیں گے۔" یہ کہہ کر بابا کریم کُچھ دیر خاموش رہے۔ پھر بولے۔

”اب دھیان سے میری بات سُنو! ہمارے دُشمن خفیہ راستے میں ہیں، جو راہ داری میں کھُلتا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق وہ سیڑھیوں کے ذریعہ سے نیچے اِس ہال میں آئیں گے۔ ہم سب اِس ہال میں مختلف جگہوں پر چھُپ جائیں گے، اور پھر اچانک اُن کے سامنے آکر اُن کو حیران کر دیں گے۔ بس یہ دھیان رہے کہ جب تک دُشمن قریب نہ آجائے اُس وقت تک فائر نہ کیا جائے۔ یا پھر جب تک میں تُم لوگوں کو کھانس کر اشارہ نہ دوں اُس وقت تک حرکت نہ کرنا۔ ہمارے پاس یہ بڑے پٹاخے بھی ہیں۔ بندوق استعمال کرنے کے بجائے یہ زیادہ بہتر رہیں گے۔ اِن سے دھواں پھیل جائے گا اور اُن میں بھگدڑ مچ جائے گی۔ لیکن بندوقیں بھی تیّار رہتی چاہیئں اور تلواریں بھی میان میں سے باہر آنے کو تیّار رہیں۔ اب بالکل خاموشی سے میرے ساتھ آؤ۔“

باباکریم سب سے آگے تھے۔ اُن کے پیچھے باقی لوگ ایک قطار میں بڑی خاموشی سے چل رہے تھے۔ سب کے پاس تلواریں اور بندوقیں تھیں جبکہ ملازماؤں کے پاس بارود کے تھیلے تھے۔ یہ بڑا منظّم دستہ تھا۔ اگر بادشاہ خود اُس کو اور اُس کی

کارکردگی کو دیکھ لیتا تو خوش ہو جاتا۔ ہال کمرے میں حویلی کے تمام محافظ موجود تھے۔ وہ لوگ طے کر رہے تھے کہ کیسے کہاں چھپنا ہے۔ بابا کریم اِس وقت فوجی افسر معلوم ہو رہا تھا۔ اُس کے اندر کا فوجی کافی عرصے بعد آج پھر باہر گیا تھا۔ اُس کی چُستی، پھُرتی اور مہارت دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے وہ کسی میدانِ جنگ میں ہے۔

اُن سب کو ہال میں چھُپے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اب رات بھی کافی گزر چکی تھی۔ اچانک راہ داری کی طرف سے ایک آواز نے سب کو چونکا دیا۔ ایسا لگا جیسے کوئی دیوان کو کھِسکا رہا ہو۔ چند لمحے ایسے ہی گُزر گئے اِس کے بعد سیڑھیوں پر کسی کے دبے پاؤں چلنے کی آواز سُنائی دی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد اندھیرے میں کسی بھاری جسم کے آدمی کا ہیولا نظر آیا۔ اُس کے ساتھ ایک دُبلا پتلا آدمی بھی تھا عدیل نے اُسے پہچان لیا۔ یہ صفدر جنگ تھا۔

پھر بھاری جسم والے نے بہت آہستہ سے کہا:

''سمجھ میں نہیں آتا۔ حویلی میں اِس قدر سنّاٹا کیوں ہے؟ معلوم ہوتا ہے لڑکے نے اپنے محافظ دستے کو اطلاع کر دی ہے۔''

”محافظ دستہ!“ صفدر جنگ نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔ ”یہاں کوئی محافظ دستہ نہیں ہے۔ جبھی تو میں تمہیں لے کر آیا ہوں۔ چند بوڑھے ملازم ہیں جنہیں وہ محافظ دستہ کہہ کر بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر میں اُس کی چال باز میں کیسے آ سکتا تھا۔ وہ بوڑھے لوگ تو حویلی کے پھاٹک پر، اپنی کوٹھری میں یا تو گھوڑے بیچ کر سو رہے ہوں گے یا پڑے کھانس رہے ہوں گے۔ اُن پر تو ہم لوگ آسانی سے قابو پا لیں گے۔ اُنہیں چوہوں کی طرح پکڑ لیں گے، مگر یہ بات یاد رہے کہ لڑکے کو میرے حوالے کرنا۔ مُجھے اپنا پچھلا حساب چُکانا ہے۔ اب میرے پیچھے پیچھے آؤ۔“

موٹے جسم والا اور صفدر جنگ نہایت آہستگی کے ساتھ نیچے اُتر رہے تھے۔ وہ احتیاط کے ساتھ زمین پر قدم رکھتے ہوئے نیچے آئے۔ اندھیرے میں اُن دونوں کے لباسوں پر لگے ہوئے ستارے چمک رہے تھے۔ دراصل بادشاہ کے باغیوں نے اپنی فوج بنائی تھی۔ اُس فوج میں بھی باقاعدہ عہدے دار تھے جِن کی شناخت اُن کی وردیوں پر لگے ہوئے ستاروں یا تمغوں سے ہوتی تھی۔ موٹے جسم والا بھی

شاید باغیوں کا کوئی عہدے دار تھا۔ نیچے پہنچ کر دونوں اوندھے لیٹ گئے اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ ایک ایک کر کے وہ سب نیچے آ گئے۔ وہ تعداد میں دس تھے۔ جب سب نیچے آ گئے تو صفدر جنگ اُن سب کو لے کر آگے بڑھا۔ اُسی وقت بابا کریم نے کھانس کر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ اِس کے ساتھ ہی محافظوں نے بڑے بارودی پٹاخے دُشمنوں پر مارے۔ پہلے ہلّے میں تین دُشمن ڈھیر ہو گئے۔ چوتھا کھڑا ڈگمگاتا رہا۔ اور پھر وہ بھی تینوں پر گر گیا۔ دُشمنوں میں اِس اچانک حملے سے بھگدڑ مچ گئی تھی۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جائیں۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر گرتے رہے۔ بابا کریم نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ کسی صورت میں بھی جگہ نہ چھوڑیں۔ اِس لیے وہ سب محفوظ رہے اور دُشمن پر برابر دستی بم پھینکتے رہے۔ ہال دھوئیں سے بھر گیا تھا۔ ہر طرف چیخ پکار مچی ہوئی تھی۔ دُشمن کے چار پانچ آدمی سیڑھیوں کی طرف لپکے۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ اسی وقت موٹے جسم والے نے چیخ کر کہا: ''بُزدِلو! چند

بوڑھوں کو دیکھ کر ڈر گئے۔ میدان چھوڑ کر بُزدلوں کی طرح بھاگ رہے ہو۔ نیچے جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔ اُس کے بھاگتے ہوئے ساتھی بھی واپس آ گئے تھے۔ عدیل یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ بابا کریم بھی ایک لمحے کو پریشان ہو گئے، مگر بعد میں وہ مطمئن نظر آنے لگے، کیونکہ جس جگہ وہ بھاری جسم والا جا رہا تھا وہاں شاہ جی چھُپا ہوا تھا اور شاہ جی نے آخر کار کام دِکھا ہی دیا۔ جیسے ہی بھاری جسم والا اُن کے قریب آیا شاہ جی اُٹھ کر اُس سے لپٹ گیا۔ بھاری جسم والے کے کم زور جسم والے بوڑھے شاہ جی کو اُٹھا کر پٹخ دیا، مگر شاہ جی نے اچانک ہی کروٹ بدل کر نیفے میں اُڑسا ہوا خنجر نکالا اور بھاری جسم والے کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ موٹے کی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ وہ فرش پر ڈھیر ہو چُکا تھا۔ اُس کی چیخ سے کافی دیر ہال گونجتا رہا۔ اب دُشمنوں کا سردار ہلاک ہو چُکا تھا۔ ظاہر ہے بھاگنے کے سوا اُن کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ بابا کریم اور اُن کے ساتھیوں نے دُشمنوں کا تعاقب کیا لیکن وہ گرتے پڑتے خُفیہ راستے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

اُن کے بھاگ جانے کے بعد اُنہوں نے وہ راستہ بند کر دیا۔ اُس کے آگے دیوان بچھایا اور اُس پر بھاری سامان کا ڈھیر لگا دیا۔ اِس کے بعد سب لوگ ہال میں جمع ہو گئے۔

وہاں ایک افسوسناک منظر سامنے تھا۔ اُن کے پانچ دُشمن زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ اُن میں سے تین جن میں صفدر بھی شامل تھا مر چُکے تھے۔ جبکہ بھاری جسم والا اور ایک دوسرا زندہ تھے۔ اُن کی سانس رُک رُک کر آرہی تھی۔ اُن پر بُوا جان، دونوں ملازمائیں اور تحسینہ جھُکی ہوئی تھیں اور اُن کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔

جیسے ہی بابا کریم کی نگاہ صفدر جنگ کی لاش پر پڑی تو اُنہوں نے عدیل کی طرف مڑ کر کہا: ”چھوٹے نوّاب! اِسی لیے آپ کو اپنا نام صفدر جنگ بتایا تھا نا!“

”ہاں!“ عدیل نے جلدی سے جواب دیا۔

”اس نے جھوٹ بولا تھا۔ میں اِس کو بہت اچھّی طرح جانتا ہوں۔ اِس کا نام غلام قادر ہے۔ بیس سال پہلے یہ آپ کے دادا کا خاص ملازم تھا۔ بہر حال اُس کو اُس

کے کیے کی سزا مل چکی ہے۔"

اب صُبح کی سپیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ عید کا دِن عدیل اور تحسینہ کے لیے ایک اور خوشی ساتھ لایا تھا۔ نوّاب شہامت خان اور اُن کا بڑا بیٹا صُبح ہوتے ہی پہنچ گئے۔ اُن کے ساتھ گھُڑسواروں کا ایک دستہ بھی تھا۔ عدیل، تحسینہ، بُوا جی، کریم بابا اور دوسرے سب لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ نوّاب صاحب کے ساتھ وہ مفرور دُشمن بھی تھے جو حویلی کے خُفیہ راستے سے بھاگ گئے تھے۔ نوّاب صاحب جب آرہے تھے تو اُنہوں نے اِن دُشمنوں کو کیکروں کے قریب پُراسرار انداز میں بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اُنہیں وہ لوگ مشکوک لگے چنانچہ تھوڑے سے مُقابلے کے بعد نوّاب صاحب نے اُنہیں گرفتار کر لیا۔ عدیل اور تحسینہ کی فتح اب مکمّل ہو چکی تھی۔

جب نوّاب صاحب نے رات کا واقعہ سُنا تو وہ عدیل اور تحسینہ کی جرأت اور بہادری سے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے:

"شاباش بچّو! واقعی میرا محافظ دستہ بڑا بہادر ہے۔ اِس کی بہادری کی داستان جب

بادشاہ سلامت سُنیں گے تو وہ مُجھ پر رشک کریں گے۔"

اس طرح عدیل اور تحسینہ نے جرأت اور حاضر دماغی سے کام لے کر نہ صرف نُور پور کی حویلی میں گھُسنے والے غدّاروں کو نکال باہر کیا، بلکہ نوّاب شہامت خان کا سر بھی بُلند کر دیا۔ اِس کے بعد حویلی کا خُفیہ راستہ پتھّروں کی دیوار چُن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ پھر کُچھ عرصے بعد بادشاہ کے جاں نثاروں کو فتح نصیب ہوئی اور سارے باغی مارے گئے۔